نومبر، دسمبر ۲۰۱۷ء Nov. Dec. 2017

خانقاہ سراواں الہ آباد سے جاری شدہ کتاب ''مسئلہ اذان و اقامت: ایک معتدل نظریہ''

اہل سنت کی پشت میں خنجر

نہ مرا نوش ز تحسین نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بمدحی نہ مرا ہوش ذمے
منم و کنج خمولی کہ نگنجد دروے
جز من و چند کتابی و دوات و قلمے

خطیب الہند مولانا
حسن رضا خان، پی ایچ ڈی، پٹنہ
سے ایک ملاقات

چیف ایڈیٹر
ڈاکٹر امجد رضا امجد

ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر ۲۰۱۷ء

بیادگار

امام اہلسنت سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت

امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز

بطلِ روحانی

حجۃ الاسلام حضرت علامہ الشاہ
محمد حامد رضا خاں قدس سرہ العزیز

مفتی اعظم ہند حضرت علامہ الشاہ
محمد مصطفےٰ رضا نوری قدس سرہ العزیز

زیر سایۂ کرم

جانشین حضور مفتی اعظم ہند تاج الشریعہ قاضی القضاۃ فی الہند حضرت علامہ الشاہ مفتی اختر رضا خاں قادری رضوی الازہری مدظلہ العالی
بریلی شریف (اتر پردیش)

زیر عاطفت

محدث کبیر حضرت علامہ الحاج الشاہ
ضیاء المصطفیٰ قادری امجدی مدظلہ العالی جامعہ امجدیہ، گھوسی (اتر پردیش)

سرپرست مجلس مشاورت

شہزادہ حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ عسجد رضا خاں قادری مدظلہ العالی

مجلس مشاورت

● مولانا عبدالحیٰ نسیم القادری ڈربن، ساؤتھ افریقہ ● مولانا آفتاب قاسم رضوی، ڈربن ساؤتھ افریقہ ● مفتی عاشق حسین رضوی مصباحی، کشمیر ● مفتی زاہد حسین رضوی مصباحی، برطانیہ ● مولانا احسان اقبال قادری رضوی، کولمبو، سری لنکا ● مولانا الیاس رضوی مصباحی، بنارس ● مولانا قاسم عمر رضوی مصباحی، بنونی، ساؤتھ افریقہ ● مولانا موسیٰ رضا قادری، پریٹوریا، ساؤتھ افریقہ ● مولانا جنید ازہری مصباحی، ویسٹ انڈیز ● مولانا ابو یوسف محمد قادری ازہری، گھوسی ● مولانا غلام حسین رضوی مصباحی، پریٹوریا، ساؤتھ افریقہ ● مولانا شمیم احمد رضوی، لیڈی اسمتھ، ساؤتھ افریقہ ● مولانا سلمان رضا فریدی مصباحی، مسقط عمان ● مولانا قمر الزماں مصباحی، مظفر پور ● مولانا مجاہد حسین رضوی، الہ آباد ● مولانا محمد رضا صابری مصباحی ● مولانا قاضی خطیب عالم نوری مصباحی، لکھنؤ ● مولانا بہاء الدین رضوی مصباحی، گلبرگہ شریف ● مولانا انوار احمد نعیمی، اجمیر شریف ● قاری عتیق الرحمن رضوی، ہرارے، زمبابوے ● مفتی نعیم الحق ازہری مصباحی، ممبئی ● مولانا اشرف رضا قادری سبطینی، بریلی شریف ● عبدالصبور رضا برکاتی، بریلی شریف ● مفتی شمس الحق مصباحی، نیوکاسل، ساؤتھ افریقہ ● مولانا اقبال شیخانی رضوی، ممبئی

مدیر اعلیٰ

ڈاکٹر مفتی امجد رضا امجد، پٹنہ

نائب مدیر

احمد رضا صابری، پٹنہ

مجلس ادارت

● مفتی راحت خان قادری، بریلی شریف
● مفتی ذوالفقار خان نعیمی ● مولانا بلال انور رضوی جہان آباد
● میثم عباس رضوی، لاہور ● ڈاکٹر غلام مصطفی نعیمی دہلی

معاونین مجلس ادارت

● مولانا جمال انور رضوی کلیر، جہان آباد ● مولانا طارق رضا نجمی سعودیہ عربیہ ● جناب زبیر قادری، ممبئی

مراسلت و ترسیل زر کا پتہ

دو ماہی 'الرّضا' انٹرنیشنل، پٹنہ

ہیرا کامپلیکس، قطب الدین لین، نزد دریاپور مسجد

سبزی باغ، پٹنہ 800004 رابطہ: 9835423434/ 8521889323

ای میل: alraza1437@gmail.com

Bimonthly AL-RAZA (International) Patna
C/o. Ahmad Publications Pvt. Ltd.
Hira Complex, Qutubuddin Lane, Near Daryapur Masjid,
Sabzibagh, Patna - 4, E-mail: alraza1437@gmail.com,
Contact / Telegram / Whtsapp: 8521889323

رابطہ: (مدیر اعلیٰ) amjadrazaamjad@gmail.com/9835423434

پتہ: القلم فاؤنڈیشن نزد شادی محل، سلطان گنج پٹنہ ۶ (بہار)

گول دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زر سالانہ ختم ہو چکا ہے
برائے کرم اپنا زر سالانہ ارسال فرمائیں تا کہ رسالہ بروقت موصول ہو سکے۔

قیمت فی شمارہ: ۲۵ روپے، سالانہ ۱۵۰ روپے بیرون ممالک سالانہ ۲۰ امریکی ڈالر

قانونی انتباہ! مضمون نگار کی آرا سے ادارہ "الرضا" کا اتفاق ضروری نہیں! کسی بھی مسئلہ میں ادارہ الرضا کا موقف وہی ہے جو اعلیٰ حضرت کا ہے اس کے خلاف اگر کوئی مضمون دھوکہ میں شائع ہو بھی جائے اسے کالعدم سمجھا جائے، کسی بھی طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف پٹنہ کورٹ میں قابل سماعت ہوگی۔
پرنٹر پبلشر احمد رضا صابری ڈائریکٹر احمد پبلیکیشنز (پرائیویٹ لمیٹڈ) نے سبزی باغ سے طبع کر کے دفتر دو ماہی الرضا انٹرنیشنل، پٹنہ سے شائع کیا۔

مشمولات

منظومات

معمور اسی خاک سے قبلہ ہے ہمارا

حسان الہند امام احمد رضا قادری

ہم خاک ہیں اور خاک ہی ماوا ہے ہمارا
خاکی تو وہ آدم جدِ اعلیٰ ہے ہمارا

اللہ ہمیں خاک کرے اپنی طلب میں
یہ خاک تو سرکار سے تمغا ہے ہمارا

جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سیدِ عالم
اُس خاک پہ قرباں دلِ شیدا ہے ہمارا

خم ہوگئی پشتِ فلک اس طعنِ زمیں سے
سن ہم پہ مدینہ ہے وہ رتبہ ہے ہمارا

اُس نے لقبِ خاک شہنشاہ سے پایا
جو حیدرِ کرار کہ مولیٰ ہے ہمارا

اے مدّعیو! خاک کو تم خاک نہ سمجھے
اِس خاک میں مدفوں شہِ بطحا ہے ہمارا

ہے خاک سے تعمیر مزارِ شہِ کونین
معمور اسی خاک سے قبلہ ہے ہمارا

ہم خاک اڑائیں گے جو وہ خاک نہ پائی
آباد رضاؔ جس پہ مدینہ ہے ہمارا

ڈاکٹر محمد امجد رضا امجد

اداریہ

خانقاہ سراواں الٰہ آباد سے جاری شدہ کتاب "مسئلہ اذان و اقامت: ایک معتدل نظریہ"

اہل سنت کی پشت میں خنجر

ہندوستان کی سرزمین پہ ایک "جن" کی طرح نکلنے والی خانقاہ سراواں وہ چیستاں ہے کہ بین السطور پڑھنے والے دماغ بھی انہیں سمجھنے سے قاصر ہیں، اس نے اپنی پیشانی پہ اعتدال معتدل وسطیت تصوف عرفان عرف معرفت توارث وتعامل اور مقاصد شرع کا ادراک جیسی اصطلاحات کا ایسا لیبل لگایا ہے کہ جرائم دیکھنے کے بعد بھی انہیں مجرم سمجھنے میں تامل ہو رہا ہے۔ ہندوستان کی یہ پہلی خانقاہ ہے جو خانقاہیت کا لبادہ اوڑھ کر ہر سنی خانقاہ کے عقیدہ وعمل اور تعامل وتوارث کی مخالفت پر آمادہ ہے، اب یہ کیسی سنی خانقاہ ہے، اس کا اندازہ اسی سے لگائیے کہ اس کا تعلق ہندوستان کی کسی ایسی علمی ومتحرک اور زندہ خانقاہ سے نہیں جو اہل سنت کی نمائندہ ہو، نہ کسی سنی خانقاہ کے ذمہ داروں نے انہیں کبھی کوئی اہمیت دی۔ ہمارے جو اشخاص کبھی ان کا ظاہر دیکھ کر ان کی گزارش پہ وہاں گئے بھی تھے، اب ان کا باطن دیکھ کر وہ بھی ان کی حمایت سے دست کش ہو چکے ہیں، جس طرح ندوۃ العلما میں شریک سنی علما اس کی اصلیت جان کر آہستہ آہستہ ان سے علیحدہ ہو گئے تھے، اب گزرے ہوئے لمحوں کی تصویریں چھاپنا اپنی حقیقت پہ پردہ ڈالنے کے سوا کچھ نہیں۔

خانقاہ سراواں نے ان چند برسوں میں قول وعمل کے اعتبار سے اپنی جو شبیہ بنائی ہے اس سے بہ آسانی ان کی شناخت ہو سکتی ہے کہ وہ کس قبیلۂ فکر کے تابع اور پیروکار ہیں اور یہ خانقاہ کس مزاج ومنہاج کی پابند ہے۔ اس خانقاہ سے وابستہ چند حقائق دیکھیں جس سے بآسانی ان کی شناخت ہو سکتی ہے:

- دعویِ تقلید کے باوجود تقلید سے بیزاری
- کسی ایک امام کی پیروی کرنے والے پر طعن
- قرأت خلف الامام میں غیر مقلدین کی حمایت
- تین طلاق کے مسئلہ میں غیر مقلدین کی حمایت
- دعوی حنفیت کے باوجود اپنے مطلب کے لئے کسی بھی امام کے قول کو اختیار کرنے پر اصرار
- غیر مقلدین کے پیشوا ابن تیمیہ وابن قیم کی حمایت اور اپنے موقف پہ ان سے استدلال
- اہل قبلہ کی تکفیر کے مسئلہ میں مردو نظریہ کی پیروی
- مسئلہ علم غیب پہ اہل سنت کے علمی مباحث کو لغو قرار دینے کے ساتھ اہل سنت پر علم رسول کو علم الٰہی سے ملانے کا الزام
- مسئلہ اقامت میں وہابیہ و دیابنہ کی پیروی
- اپنے غلط موقف پہ استدلال کے لئے بعض غیر سنی خانقاہوں کا حوالہ
- ہمیشہ اختلافی مسائل میں وہ موقف اختیار کرنا جو اہل سنت کے خلاف ہو

یہ وہ حقائق ہیں جو اس خانقاہ سے شائع ہونے والے کتب ورسائل میں موجود ہیں یا پھر اس خانقاہ کے ترجمان کی تحریریں ہیں جو دوسرے رسالہ میں شائع ہوئی ہیں۔

خانقاہ سراواں کی حقیقت واضح ہوجانے کے بعد یہ کہنے میں میں کوئی تامل نہیں کہ اب اگر اس خانقاہ سے معمولات اہل سنت کے خلاف کوئی تحریر شائع ہوتی ہے تو اس کا مطلب محض ترک استحباب وسنت نہیں جس سے صرف نظر کرلیا جائے بلکہ فرق باطلہ کے موقف کی تائید اور اس کی حمایت ہی سمجھی جائے گی کہ حالات بدلنے سے احکامات بدل جاتے ہیں۔ امام احمد رضا علیہ الرحمہ والرضوان سے میلاد وقیام نہیں کرنے والے کی امامت کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے جواب میں یہی فرمایا کہ:

''مجلس مبارک کی عدم حاضری اگر بربنائے وہابیت نہ ہو تو اس کے پیچھے نماز درست ہے مگر ان بلاد میں صورت انکار وکراہت بے ضلال اصول وہابیت پائی نہیں جاتی مجلس مبارک وقیام مقدس سے یہاں وہی منکر ہیں جو وہابی گمراہ خاسر ہیں''

یعنی مستحسن عمل کا انکار اگر بربنائے وہابیت ہو تو اس کے پیچھے نماز درست نہیں۔ اسی طرح اقامت بھی بدعقیدوں ہی کی پہچان ہے اور اس پر اصرار انہیں سے ذہنی وفکری تعلق کا اظہار۔ حجۃ الاسلام ''اذان ثانی کا حق نما فیصلہ'' میں لکھتے ہیں:

''مسلمانو! مسائل کئی قسم ہیں، ایک قسم عقائد اہل سنت کہ اصول ایمان یا ان کے متعلقات سے ہوں، دوسرے وہ مسائل کہ اگرچہ فرعی ہیں مگر اہل سنت ووہابیہ وغیرھم ضالین میں مختلف فیہ ہیں، جیسے میلاد مبارک وقیام کہ یہ بھی اختلاف عقیدۂ فریقین کے باعث فروع عقائد سمجھے جاتے ہیں اور ان کے ماننے نہ ماننے سے اب سنی ووہابی وغیرہ کی پہچان ہوتی ہے''

اہل سراواں اگر صرف مسئلۂ اذان واقامت میں اہل سنت سے جدا اپنا تفرد وامتیاز رکھتے، تو مقام تحیر واعتراض نہ ہوتا، مگر یہاں نظریات، مسائل اور معمولات تینوں میں غیر مقلدین سے فکری قربت اپنے جوبن پہ ہے، اس لئے اسے ''محض استحباب میں اختلاف'' نہیں سمجھا جاسکتا۔ اہل سنت کی پوری تاریخ میں یہ پہلا سانحہ ہے جب کسی سنی کہنے والی خانقاہ اور اس سے وابستہ سنی مدارس کے فارغین نے اقامت کے مسئلہ پہ کتاب لکھ کر جماعت اہل سنت سے اختلاف کا علم بلند کیا ہو۔

مسئلہ اذان واقامت کا معتدل نظریہ:

یہ بات ذہن نشیں رکھنے کی ہے کہ اس خانقاہ نے ہمیشہ مسلمانوں کو دست وگریباں رکھنے کے لئے وہ راہ اپنائی ہے جو اختلافی ہو، جیسے اہل سنت کے مرجوح وممنوع مسائل کو لینا، مسئلہ سماع کو چھیڑنا، مزارات پہ عورتوں کی حاضری کو ہنگامہ کا موضوع بنانا، اہل قبلہ کی تکفیر کے مسئلہ کو اچھالنا۔ اور اب یہ نیا شوشہ ''مسئلہ اذان واقامت ایک معتدل نظریہ'' سامنے آیا ہے، جس سے ان کا مقصد امت مسلمہ کے اتحاد کو توڑنا، جماعت میں انتشار پیدا کرنا اور ملک ومذہب دشمن سیاسی پارٹی بی جے پی کے منشور ''مسلمانوں میں فرقہ کی آگ بھڑکاؤ اور حکومت کرو'' پر عمل کرنا ہے، ورنہ بتایا جائے کہ ابھی ہندوستان میں جس طرح کے حالات ہیں ان میں کہیں فرقہ بندی کے حوالہ سے کوئی تنازع ہے؟ مسئلہ اقامت پہ کہیں کوئی ہنگامہ ہے؟ جمعہ کی اذان ثانی کو لے کر کہیں کوئی بحث وتکرار ہے؟ پھر اس موضوع پہ ''مسئلہ اذان واقامت کا معتدل نظریہ'' نامی کتاب جو انتہائی غیر معتدل ہے، شائع کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ اور اس پر طرہ یہ کہ آگ لگانے کے بعد یہ خانقاہ خود ہی عوام کو دھوکہ دینے کے لئے کہتی ہے:

''اس قسم کے مسئلہ کو لے کر نزاعی صورت حال پیدا کرنا، کسی کی سنیت اور ضلالت کا فیصلہ کرنا، اہل سنت کے بیچ شگاف ڈالنا، فتویٰ بازی کرنا، تعلقات توڑنا یہ نادانی کے سوا کچھ نہیں'' (۱۲۷)

اب اس بھولا پن کو قارئین کون نام دیں گے یہ وہی فیصلہ کریں، ہم صرف آئینہ دکھانا چاہتے ہیں تاکہ ''شہد دکھائے زہر پلائے قاتل

ڈائن شوہر کش'' کی حقیقت سامنے آجائے۔

مسئلہ اذان واقامت پہ شائع ہونے والی اس کتاب کو ''معتدل نظریہ'' کا نام دیا گیا ہے، قارئین ذیل میں ملاحظہ کریں کہ یہ کتاب کتنی معتدل، اس کا دعویٰ کتنا برحق اور اس کی زبان کتنی سنجیدہ ہے:

۱) خطبہ کی اذان جس کو دوسری صدی کی ابتدا سے لے کر اب تک علما فقہا اور مشائخ بشمول غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی کے، مسجد کے اندر دیتے آرہے ہیں اس کو ہم خلاف سنت کہہ کر مسجد کے باہر دلوانے پر پوری قوت صرف کر رہے ہیں۔ مسئلہ یہ نہیں کہ اسے کوئی سنت نہ سمجھے مسئلہ یہ ہے کہ کوئی جوش عناد میں امت کے اس عظیم توارث کو بدعت ضلالت، خلاف سنت، موضوع اصلاح ودعوت، عنوان جبر وحشت کا بیڑا اٹھائے (ص ۵۳)

۲) ان تمام باتوں کے باوجود اذان خطبہ کو مسجد کے باہر ہی دینے پر کوئی مصر ہے اور اس کے خلاف کرنے والے پر بدعت وضلالت کا حکم لگاتا ہے اور عالم گیریت کے اس دور میں اپنی چند مسجدوں کے جدید تعامل کو بنیاد بنا کر اسے سنیت کا شعار قرار دیتا ہے تو یقینا ایسے شخص کا قبلہ تفقہ گم ہوگیا ہے ایسے شخص کو چاہئے کہ پہلے وہ مقاصد شریعت کو سمجھے اور پھر اس کی مشروعیت کا جائزہ لے، اور عہد رسالت سے لے کر اب تک اس میں کس طرح کی تبدیلیاں ہوئی ہیں ان پر ایک نظر ڈالے، تاکہ اسے مسئلہ کی پوری حقیقت سمجھ میں آئے، ورنہ امت کی اجتماعیت کو تار تار کرنے کے علاوہ اسے کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا (۵۵)

۳) یہ واضح کیا جاچکا ہے کہ اذان خطبہ کا مقصد مسجد سے باہر والوں کو مطلع کرنا نہیں ہے اس لئے اس کو مسجد سے باہر کرانے کی ضد بھی فضول ہے اور اگر بالفرض کوئی یہ کہتا ہے کہ اذان خطبہ کا مقصود بھی قریب وبعید سب لوگوں کو مطلع کرنا ہے تو اسے چاہئے کہ اس زمانہ میں اذان خطبہ مسجد سے باہر کرانے کی تحریک کے بجائے اسے مائک پر دئے جانے کی تحریک چلائے

۴) بعض لوگ بین یدیہ الخطیب /المنبر کے الفاظ سے دھوکہ کھا جاتے ہیں یا دھوکہ دیتے ہیں کہ اس سے مراد مواجہت ہے۔۔۔

۵) فقہا کی عبارات میں لفظ بین یدیہ سے صرف مواجہت کا معنی مراد لینا اس لئے درست نہیں ہے کہ بعض کتابوں میں لفظ عند المنبر اور بعض میں لفظ فی المسجد کی صراحت ہے جیسا کہ ماقبل میں گزرا۔ یہ عبارتیں قطعی طور پر بین یدیہ سے قرب کا معنی متعین کرتی ہیں۔

۶) اذان کا مقصود شرعی اعلام واعلان ہے جو مائک سے دی جانے والی اذان سے حاصل ہے خواہ وہ کہیں سے دی جائے، داخل مسجد سے یا خارج مسجد سے، اب اس مسئلہ پر بحث وجدال کرنا کسی طرح جائز نہیں بلکہ انتشار وافتراق کا سبب ہے جو یقینا معیوب ہے۔

۷) اذان خطبہ کو بدعت سیئہ کہہ کر رد کرنا دوسری صدی سے آج تک کے بلاد عالم کے علماومشائخ کی یک گونا توہین ہے۔

۸) خیر کی طرف جلدی کرنے اور تعدیل صفوف کی وجہ سے ہندوپاک کی اکثر خانقاہوں کا معمول ابتدائے اقامت میں کھڑے ہونے کا رہا ہے

۹) ابتدائے اقامت میں کھڑے ہونے میں حرج نہیں، اس قسم کے مسائل کو لے کر نزاعی صورحال پیدا کرنا، کسی سنیت اور ضلالت کا فیصلہ کرنا، اہل سنت کے بیچ شگاف ڈالنا، فتویٰ بازی کرنا، تعلقات توڑنا یہ نادانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

۱۰) آج پوری دنیا کے اہل سنت بشمول احناف کا اسی پر عمل ہے۔

اہل حق فیصلہ فرمائیں کہ اذان واقامت کے حوالہ سے یہ ''معتدل نظریہ'' ہے یا وہابیوں کی حمایت اور ان سے اپنے تعلق کا اظہار۔ اہل سنت وجماعت کے اکابر علما مشائخ جو صدیوں سے داخل مسجد اذان اور ابتدائے اقامت میں کھڑے ہوجانے کو مکروہ جانتے اور لکھتے آرہے ہیں، انہیں جس طرح کے القابات سے نوازا گیا ہے یہ کسی صحیح العقیدہ سنی کا کام ہوسکتا ہے؟ قارئین خط کشیدہ جملوں پر غور فرمائیں اس میں کذب بہتان، غلط بیانی، بے سروپا زبانی ادعا اور بزرگوں کی گستاخی کے علاوہ بھی کچھ ہے؟ کیا حضرت خاتم الاکابر شاہ آل رسول احمد

مارہروی، حضرت سیدنا نور العارفین شاہ ابوالحسین نوری میاں، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی، اعلیٰ حضرت حضور اشرفی میاں، حافظ بخاری حضرت مولانا عبدالصمد پھپھوندشریف، حجۃ الاسلام، مفتی اعظم ہند، صدر الشریعہ، صدرالافاضل، محدث اعظم ہند، برہان ملت، مفسر اعظم ہند، شیر بیشۂ اہل سنت، حضور شاہجی میاں مارہروی، حضرت محمد میاں مارہروی، مجاہد ملت، حافظ ملت، امین شریعت، علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی، وغیرہ کا ''قبلہ تفقہ'' گم ہوگیا ہے؟ کیا انہوں نے مقاصد شرع کو نہیں سمجھا؟ انہوں نے امت کی اجتماعیت کو تار تار کیا ہے؟ انہوں نے خارج مسجد اذان اور قیام عندحی علی الصلوٰۃ کو سنت اور خلاف کو مکروہ لکھا اور اسے عام کیا یہ سب ان کی ''فضول ضد'' تھی؟ کیا بین یدیہ کا حقیقی معنی بتانے میں ہمارے بزرگوں نے ''دھوکہ دیا'' ہے اور سو سال تک علمائے اہل سنت نے اس ملک میں اس مسئلہ کی جو علمی فقہی توضیح کی ہے وہ ''دوسری صدی سے آج تک کے علماو مشائخ کی توہین ہے؟ کیا اقامت میں پہلے کھڑا ہو جانے کو فقہا کے حکم کے مطابق مکروہ سمجھنا، بتانا اور حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کو سنت سمجھنا اور اس کی تلقین کرنا ''فتویٰ بازی کرنا اور اہل سنت کے بیچ شگاف ڈالنا ہے؟

اہل سراواں نے بڑی ڈھٹائی سے لکھا ہے کہ:

> **''ہندوستانی اہل تصوف اور اہل سنت کے جو مراکز اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے فتاویٰ سے بہت زیادہ اثر پذیر نہیں ہوئے ان کے یہاں بھی یہی قدیم توراث (شروع اقامت میں کھڑا ہونا) قائم ہے، آج پوری دنیا کے اہل سنت بشمول احناف کا اسی پر عمل ہے''**

کیا واقعی ایسا ہے کہ پوری دنیا میں اہل سنت حنفی حضرات شروع اقامت میں کھڑے ہوتے ہیں؟ اہل سراواں پوری دنیا چھوڑیں صرف یہی بتائیں کہ کیا ہندوستان کی سنی خانقاہیں جیسے درگاہ اجمیر معلیٰ، درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دہلی، درگاہ صابریہ کلیر شریف، خانقاہ اشرفیہ کچھوچھہ، خانقاہ واحدیہ بلگرام، خانقاہ محمدیہ کالپی، خانقاہ اسمٰعیلیہ مسولی، خانقاہ برکاتیہ مارہرہ، درگاہ شاہ ارزاں پٹنہ، خانقاہ قادریہ بدایوں، خانقاہ تیغیہ سرکانہی، خانقاہ شعیبیہ براؤں شریف،، خانقاہ سیدنا امجھر اورنگ آباد،، خانقاہ سمرقندیہ دربھنگہ، خانقاہ بلخیہ فتوحہ، خانقاہ بارگاہ عشق، خانقاہ عمادیہ، خانقاہ منعمیہ، خانقاہ فدائیہ پٹنہ سیٹی، خانقاہ چشتیہ وابولعلائیہ داناپور، دائرہ شاہ اجمل، الہ آباد، خانقاہ امجدیہ گھوسی، خانقاہ حشمتیہ پیلی بھیت وغیرہ کے علماو مشائخ و مریدین شروع اقامت میں کھڑے ہوتے ہیں؟ اور یہ بھی بتائیں کہ اہل سنت کے معروف مدارس منظر اسلام بریلی، جامعہ نعیمیہ مرادآباد، مظہر اسلام بریلی، الجامعۃ الاشرفیہ مبورکپور، جامع اشرف کچھوچھہ،، دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی، جامعہ نوریہ رضویہ، جامعۃ الرضا، بریلی، غریب نواز الہ آباد، دارالعلوم فیض الرسول براؤں،، امجدیہ، ناگپور، امجدیہ گھوسی، دارالعلوم خیریہ سہسرام، فیض العلوم جمشید پور، مدرسہ شمس العلوم گھوسی، دارالعلوم علیمیہ دامودر پور، جامعہ اسلامیہ روناہی، جامعہ قادریہ مقصود پور، ادارہ شرعیہ پٹنہ وغیرہ کے اساتذہ وطلبہ اور فارغین کا عمل بھی شروع اقامت میں کھڑا ہونا ہے؟ الجامعۃ الاشرفیہ میں تعلیم کے دوران بھی آپ نے یہی دیکھا اور اسی پہ عمل کیا؟ اور اگر ایسا نہیں تو پھر اس صدی کے سب سے بڑے فراڈ کو آخر کون سا نام دیا جائے؟ مذکورہ خانقاہ و درسگاہ نے ہندوستان میں سنیت کا علم بلند کر رکھا ہے، انہیں خانقاہ و دانش گاہ اور دارالافتا کے فارغین وفیض یافتگان سے ملک کا نظام دین قائم ہے، مسلمانان ہند اپنے سارے دینی معاملات یہیں سے حل کراتے ہیں، جب ان تمام مراکز میں حی علی الفلاح پہ کھڑا ہونے کا عمل ہے، تو غالب اکثریت ان کی ہوئی یا آپ کے توہبانہ عمل کی؟ کیا شہرت کی ہوس، طلب زر کی خواہش اور حق نمک خواری کے جذبہ نے اس حد تک گرادیا ہے کہ اپنے پیر کے توہبانہ معمولات کو درست ثابت کرنے کے لئے جھوٹ اور دغا و فریب کا سہارا لیں؟

اہل سراواں کے جھوٹ کا پردہ فاش کرنے کے لئے اہل سنت کے عمل (حی علی الفلاح پر کھڑے ہونا) کے ساتھ ان کے کتب فتاویٰ کا بھی جائزہ لیں تو فتاویٰ رضویہ، فتاویٰ حامدیہ، فتاویٰ مفتی اعظم، فتاویٰ امجدیہ، فتاویٰ شارح بخاری، فتاویٰ شرعیہ، فتاویٰ اجملیہ، فتاویٰ کچھوچھہ، حبیب الفتاویٰ، فتاویٰ نعیمیہ، فتاویٰ ملک العلما، فتاویٰ حافظ ملت، فتاویٰ بحرالعلوم، فتاویٰ بدر ملت، فتاویٰ دارالعلوم اعلیٰ حضرت،

فتاویٰ برکاتیہ، فتاویٰ تیغیہ، فتاویٰ فقیہ ملت، فتاویٰ فیض الرسول، فتاویٰ حزب الاحناف، فتاویٰ مظہریہ، یعنی اہل سنت کے ہر مطبوعہ وغیر مطبوعہ فتاویٰ جس میں اقامت کے حوالہ سے سوال ہے تو جواب یہی مذکور ہے کہ شروع اقامت میں کھڑا ہونا مکروہ اور حی علی الصلوٰۃ وفلاح پہ کھڑا ہونا سنت ہے، کیاان سارے مفتیان کرام نے غلط مسئلہ لکھااور دوسروں کواس پر عمل کی تلقین کی ہے؟

اس موضوع پہ علمائے اہل سنت نے کئی کتابیں لکھیں سردست دو کتاب میرے سامنے ہے۔

ایک مفتی مطیع الرحمٰن رضوی صاحب کی جوامارت شرعیہ پٹنہ کے فتویٰ کے جواب میں ہے اور ''سنت کیا ہے؟'' کے نام سے پٹنہ سیٹی سے شائع ہوئی ہے، جس میں اہل سرواں کے تمام خرافات وخدشات کا شافی وافی کافی جواب موجود ہے۔ دوسری اہم مبسوط مدلل اور ناطقہ بند کتاب حضرت ملک العلما مولانا ظفرالدین رضوی بہاری علیہ الرحمہ کی ہے جس میں دیابنہ اور سراواں کے اعتراضات کے تمام پہلوؤں کا احاطہ ہے، یہ کتاب ''تنویر المصباح لقیام عندحی علی الفلاح'' المجمع الاسلامی مبارک سے سن ۱۹۹۲ میں شائع ہوئی ہے اس میں حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب قبلہ کا ''حرف آغاز'' بھی ہے، جس میں آپ نے لکھا ہے کہ ''ملک العلما کا فتویٰ اس مسئلہ کے تمام گوشوں پر حاوی ہے اور نادر معلومات کا خزانہ'' اس کتاب کا ایک پیراگراف نقل کرنا چاہتا ہوں تا کہ اس مسئلہ کا حاصل کلام سامنے آجائے۔ حضرت ملک العلما صفحہ ۲۸ پر لکھتے ہیں:

> بعض حضرات اپنی بات بنانے کو کہتے ہیں کہ ''یہ مسئلہ لوگوں نے نیا نکالا ہے'' اگر ایسا ہوتا تو کسی صحابی یا تابعی سے ضرور منقول ہوتا، تو جو مسئلہ ائمہ کرام ثلاثہ امام اعظم امام ابو یوسف امام محمد سے منقول ہو وہ نیا مسئلہ کس طرح کہا جا سکتا ہے؟ امام ابو یوسف اور امام محمد اگر تبع تابعین سے ہیں تو امام اعظم علیہ الرحمہ کے تابعی ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ کتاب الآثار میں یہ حدیث بسند متصل حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے امام محمد نے موطا شریف میں فرمایا بہ ناخذ وھو قول ابی حنیفہ پھر یہ مسئلہ نیا ہوا یا حنفی ہو کر ائمہ ثلاثہ کے خلاف کرنا نئی بات ہے۔ امام صاحب کے علاوہ ہشام بن عروہ جو جلیل القدر تابعی ہیں وہ بھی شروع تکبیر سے قیام کو مکروہ جانتے ہیں کما مرعن المصنف حضرت انس جیسے جلیل القدر صحابی تو حی علی الفلاح کے بھی بعد قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہوتے تھے۔ کما مرعن العینی وفتح الباری بلکہ امام سرخسی نے مبسوط میں امام ابو یوسف کی جو دلیل بیان کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ختم تکبیر پر کھڑے ہوتے تھے ونص عبارتہ ھکذا **ابو یوسف احتج بحدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فانه بعد فراغ المؤذن من الاقامه کان یقوم فی المحراب** یعنی امام ابو یوسف نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے دلیل لی ہے کہ وہ موذن کی اقامت سے فارغ ہونے کے بعد محراب میں کھڑے ہوتے تھے۔

حضرت ملک العلما کی یہ کتاب ''تنویر المصباح لقیام عندحی علی الفلاح'' کچھ مختصر فتاویٰ اور تصدیقات کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس کتاب پر ہندوپاک کے ۱۸۱ علماومشائخ کی تائید وتصدیقات ہیں اور صرف الجواب صحیح پر اکتفا کرنے کے بجائے تقریباً سبھوں نے ابتدائے اقامت کے مکروہ ہونے پہ ایک دو کتابوں کے جزئیے بھی پیش کئے ہیں اس سے یہ مسئلہ مہر نیم روز کی طرح عیاں ہوگیا ہے کہ پورے ملک میں اہل سنت کے یہاں حی علی الفلاح پہ کھڑے ہونے کا تعامل ہے۔ اس میں شامل چند مفتیان عظام وعلماومشائخ کے اسم گرامی یہ ہیں:

مولانا تقدس علی خاں (کراچی)	محدث اعظم علامہ سردار احمد پاکستان	مولانا عبدالکافی الہ آبادی
حضور محدث اعظم ہند	حضور سید شاہ اشرفی میاں	مولانا محی الدین اشرف اشرفی جیلانی

حضور سید احمد اشرف اشرفی
حضور سید شاہ آل مصطفےٰ برکاتی مارہرہ
حضرت برہان ملت جبل پور
مولانا سید احمد ناظم حزب الاحناف لاہور
مولانا محمد نزیر مفتی ٹانڈہ
مولانا وجیہ الدین احمد خاں رامپوری
حضرت مفتی نظام الدین بلیاوی
مفتی سید عزیز حسین رضوی مکھن پوری
مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی
مفتی مظہر اللہ جامع مسجد فتحپوری
مولانا غلام ثقلین قاضی شہر اٹاوہ
مولانا شاہ غلام یٰسین رشیدی پورنیہ
علامہ شاہ مظفر حسین کچھوچھوی
محدث اعظم بہار مفتی احسان علی
مولانا حکیم برکات احمد ٹونکوی
حضور سید شاہ مصباح الحسن پھپھوند
مفتی محمد اجمل شاہ صاحب سنبھل
حضرت حافظ ملت مبارک پور
مولانا عبد الشاہد خاں شروانی
مفتی سید افضل حسین مونگیری
علامہ مشتاق احمد نظامی
مفتی محمد عطا الرحمن مظفر پوری
مولانا شمس الحق مبارک پوری
شمس العلما علامہ غلام جیلانی میرٹھی
مولانا شاہ عاشق حسین خانقاہ ارزاں پٹنہ
حضور مجاہد ملت شاہ حبیب الرحمٰن حامدی
مولانا محمد یوسف حمید خانقاہ بارگاہ عشق پٹنہ
مفتی مطیع الرحمٰن نوری پوکھریرا
علامہ سید مختار اشرف سرکار کلاں
مولانا سید شاہ صبیح الحق خانقاہ عمادیہ پٹنہ
مولانا سید شاہ قمر الہدیٰ پنڈ شریف
شمس العلما قاضی شمس الدین صاحب
مفتی محمد سلیمان اشرفی بھاگل پوری
مفتی اعظم کانپور حضرت امین شریعت بہار
مفتی بدایوں شاہ محمد ابراہیم قادری
مفتی رجب علی نان پارہ
مولانا عابد شاہ مجددی پاکستان
مفتی شریف الحق امجد شارح بخاری
حضرت علامہ قاضی فضل کریم حامدی پٹنہ
مولانا شاہ اسرار الحق صاحب (ایم پی)
مولانا محبوب علی مفتی ریاست رامپور
مولانا محمد محی الدین بلخی

ان علما و مشائخ اور مفتیان عظام کے فتاویٰ اور تصدیقات کے بعد اہل سراواں کے دعویٰ کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے، انصاف پسند حضرات خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں ہاں ان مصدقین میں دو تاثر ایسا ہے جس سے اہل سراواں کے دعویٰ تحقیق اور قول ائمہ احناف سے انحراف پر بھرپور روشنی پڑتی ہے اس لئے یہاں اسے پیش کرنا برمحل معلوم ہوتا ہے، سلسلہ رشیدیہ کے جید عالم حضرت مولانا غلام یٰسین رشیدی مسئلہ اقامت کے حوالہ سے فرماتے ہیں:

والمسئلة دائرة متونا و شروحا و فتاویٰ ولاینکرها الا من لاحظ له من البصیره فی کتب الائمہ یعنی یہ مسئلہ متون و شروح اور فتاوائی کی تمام کتابوں میں واضح ہے اس کا انکار کرنے والا فقہی بصیرت سے محروم ہے۔

اب بلا تبصرہ حضرت مولانا محمد ارشاد حسین جعفری سجادہ نشیں شیش گڑھ کی تصدیق ملاحظہ کریں وہ لکھتے ہیں:

"حضرت امام الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ کی ظاہر الروایہ آپ نے ملاحظہ فرمائی اور ظاہر الروایہ کے خلاف فتویٰ دینا قطعا باطل و بے اعتبار و نا قابل عمل ہے، جو شخص مقلد کہلا کر ظاہر الروایہ کا انکار کرے وہ خاص غیر مقلد ہے اس کی جماعت اور امامت مقلد کے لئے ناجائز ہے" ص ۵۴)

خانقاہوں کے معمولات سے استدلال پہ ایک نظر:

اہل سراواں نے اپنی کتاب میں جن خانقاہوں کے تعامل سے استدلال کیا ہے ان میں خانقاہ مجیبیہ پھلواری اور خانقاہ رامپور بھی ہے یہ دونوں خانقاہیں فکری اعتبار سے دیابنہ سے قریب ہیں اور علمائے دیوبند کی جن کفری عبارات پر علمائے عرب و عجم نے ان پر شرعی حکم نافذ کیا ہے یہ اسے تسلیم کرنے کے بجائے محض "خاطی" سمجھتے ہیں "فتاویٰ شارح بخاری" میں خانقاہ مجیبیہ کے حوالہ سے پوری تفصیل موجود ہے، اس کے باوجود ہندوستان کی معروف سنی خانقاہوں سے استدلال کے بجائے، ان غیر سنی خانقاہوں کے تعامل کو بطور دلیل پیش کرنا اہل

سنت سے اختلاف اور من شذ شذ کے مصداق نہیں تو اور کیا ہے۔

مسئلہ اذان ثانی پہ اہل سراواں کی شورش:

اذان ثانی کے حوالہ سے خانقاہ سراواں کا یہ نیا شورش نامہ جن دعویٰ ودلائل پر مشتمل ہے اس میں ان کا اپنا کچھ نہیں وہ سب ماضی میں مسئلہ اذان ثانی پہ ہونے والے مباحث کا سرقہ وچربہ ہے، تقریبا سو سال بعد ان مباحث کو اہل سراواں صرف اس لئے چھیڑ رہے ہیں تا کہ اپنی گرتی ہوئے ساکھ کو ان سنی علما کی بیساکھیوں کے ذریعہ بچائیں جو مسئلہ اذان ثانی میں اندرون مسجد کے قائل رہے ہیں۔ تاریخی اعتبار سے یہ پہلو ذہن میں رہے کہ ماضی میں اس مسئلہ پہ جو مباحثے ہوئے اس کی ابتداد یابنہ کے پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی وغیرہ سے ہوئی، امام احمد رضا اور حضور مفتی اعظم ہند نے اس مسئلہ پہ کتابیں لکھ کر ان کا ناطقہ بند کر دیا پھر مولانا عبد الغفار رامپوری اور اس کے بعد علمائے بدایوں اس مسئلہ میں ''اندرون مسجد اذان خطبہ'' کے جواز کا نظریہ لے کر آئے، ان سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ، حجۃ الاسلام علامہ شاہ حامد رضا اور حضور مفتی اعظم ہند شاہ مصطفےٰ رضا کے تحریری مباحثے ہوئے اور اس سلسلہ میں خارج مسجد اذان کے سنت ہونے میں اتنی کتابیں ان بزرگوں نے لکھ دیں کہ مسئلہ کے سارے پہلوؤں کو آئینہ کر کے رکھ دیا، اب قیامت تک اس موضوع پہ خواہ کیسے اور کتنے ہی اعتراضات ہوں، ان کے جوابات کے لئے یہی کتابیں کافی وافی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کتابوں کے دلائل وبراہین اور مسئلہ کی حقانیت کی بنیاد پر اس عہد کے علما فقہا اور مشائخ نے امام احمد رضا کے کتب وفتاویٰ کی تصدیق کی، اور اس ''تحریکِ احیائے سنت'' میں ان کا ساتھ دیا، ان کے فتویٰ کی قولی وعملی تائید کی اور بذریعہ مکتوب اپنی جدوجہد وکامیابی کی اطلاعات امام احمد رضا کو دیں۔ ان مکتوبات سے غیر منقسم ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک میں خارج مسجد اذان پر علما کے اتفاق اور اس پر عمل کا ثبوت فراہم ہوتا تھا اس لئے ان مکتوبات کو ''مکتوبات علما وکلام اہل صفا'' کے نام سے کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا، اب وہ کتاب نایاب ہے مگر ان تمام مکتوبات کو ڈاکٹر غلام جابر شمس کی مرتبہ ''خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا'' میں منتشر دیکھا جاسکتا ہے۔

اس قضیہ کے کئی سال بعد پھر اسی مسئلہ کو خانقاہ مجیبیہ نے چھیڑا، جس کا شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی اور مولانا عبد الحق رضوی صاحب نے کتابی صورت میں تحقیقی اور مسکت جواب دیا۔ کل ملا کر دیکھیں تو اس مسئلہ پہ اہل سنت کے فتاویٰ کے علاوہ تقریبا ۱۸ رکتابیں لکھی جاچکی ہیں جو اس طرح ہیں:

اوفیٰ اللمعہ فی اذان الجمعہ	امام احمد رضا	اذان من اللہ	امام احمد رضا
شمائم العمنبر فی آداب النداء امام المنبر	امام احمد رضا	اجلی انوار الرضا	حجۃ الاسلام
مسئلہ اذان کا حق نما فیصلہ	حجۃ الاسلام	سلامۃ اللہ لاہل السنہ	حجۃ الاسلام
سد الفرار علیٰ الصید الفرار	حجۃ الاسلام	دو آفت بدایوں کی خانہ جنگی	حجۃ الاسلام
نکس اباطیل مدرسۂ خرما	حجۃ الاسلام	وقایہ اہل السنہ	مفتی اعظم ہند
الہی ضرب براھل حرب	مفتی اعظم ہند	النکتہ علی مراء کلکتہ	مفتی اعظم ہند
نفی العار	مفتی اعظم ہند	مقتل کذب وکید	مفتی اعظم ہند
مقتل اکذب واجہل	مفتی اعظم ہند	مبحث الاذان	حضرت محمد میاں مارہروی
مباحث الاذان	محمد میاں مارہروی	اذان خطبہ کہاں ہو	مولانا عبد الحق رضوی مصباحی

ان کتابوں میں کل سے لے کر آج تک کے اٹھائے گئے سوالات کے شافی جوابات موجود ہیں۔ اہل سراواں کو اس مسئلہ میں اگر

واقعی ذہنی خلش تھی تو انہیں ان کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے تھا، یہ ممکن نہ تھا تو یہاں کے وابستہ علما کو تسکین کے لئے اپنے مادر علمی الجامعۃ الاشرفیہ سے رابطہ کرنا چاہئے تھا، مگر ایسا نہ کر کے انہوں نے اہل سنت سے اختلاف کا بیڑا اٹھایا، اس سے واضح ہے کہ وہ اپنے عمل میں مخلص نہیں بلکہ دانستہ اہل سنت میں دراڑ پیدا کرنے کی سعی نامحمود کر رہے ہیں۔ اہل سراواں اگر مولانا عبدالغفار رامپوری اور مولانا عبدالمقتدر بدایونی صاحبان سے بھی علم میں بڑے ہیں تو ان کے دلائل کا سہارا لے کر خرافات مچانے کے بجائے اس مسئلہ میں ان پر کئے گئے سینکڑوں سوالات کے سلسلہ وار جوابات دیں جس کی تصریح حضور مفتی اعظم نے اپنی کتاب ''مقتل کذب وکید'' میں اس طرح کی ہے:

مسلمانو! اذان من اللہ میں مولانا عبدالغفار صاحب پر ۴۴ رد تھے، نفی العار'' میں ۱۱۶ رد تھے، سلامت اللہ لاہل السنہ میں ۳۰۵ رد تھے، اب اس مقتل کذب وکید میں حصہ اول ۱۰۰۰ رد ہیں اب تک ڈیڑھ ہزار دس رد ہوئے۔ مسلمانو! ہشیار رہیں! آئندہ اگر مولوی صاحب کی کوئی تحریر چھپے اس میں ڈیڑھ ہزار اعتراضوں کے نمبر وار جواب دیکھ لیں ورنہ وہ تحریر اصلا قابل توجہ نہ ہوگی۔ ہزاروں اعتراضوں میں ایک کا جواب نہ دیں اور وہی ہمیشہ کی مردودیت پیش کریں اور محض جھوٹ سے اس کا نام جواب رکھیں، یوں تو کوئی اجہل سا اجہل امام اعظم سے بھی نہیں ہار سکتا۔ ہم اطلاع کر چکے، آگے انصاف کی توفیق وہ اللہ عزوجل کے ہاتھ میں ہے'' (مجموعہ رسائل مفتی اعظم، رسالہ ''مقتل کذب وکید'' ص ۱۴۶)

مسئلہ اذان ثانی میں علمائے عرب کا نظریہ:

اس مسئلہ پہ امام احمد رضا کی مایہ ناز کتاب ''شمائم العنبر'' ہے جو انتہائی مدلل مسکت اور لاجواب ہے۔ مسئلہ زیر بحث کے ہر پہلو کو امام احمد رضا نے قرآن واحادیث اور فقہی جزئیات سے آئینہ کر دیا ہے۔ دیابنہ کے اعتراضات، ماسبق سنی علما کے تسامحات اور اہل سراواں کے پیش کردہ تازہ خرافات سب کا جواب اس کتاب مستطاب میں موجود ہے جو حضرت بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی علیہ الرحمہ کی تبییض وتقدیم کے ساتھ عربی متن واردو ترجمہ کے ساتھ رضا اکیڈمی ممبئی سے سن ۲۰۰۰ میں شائع ہوگئی ہے۔ مگر اس کی اشاعت سے قبل سن ۱۹۲۱ ہی میں جب حضرت صدر الشریعہ، دوسرے حج کے لئے حرمین شریفین تشریف لے گئے تو اس کتاب کو علمائے عرب کے لئے بھی لیتے گئے، مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر حضرت صدر الشریعہ نے علمائے حرمین سے اس پر تصدیقات لینا شروع کیں، تقریبا ۱۵؍ علمائے حرمین شریفین کی تصدیقات لینے کے بعد امام احمد رضا کی بارگاہ میں وہیں سے انہوں نے خط لکھا:

رسالہ ''شمائم العنبر'' پر بفضلہ تعالیٰ ۱۵؍ علمائے کرام نے مہر فرمادی، مفتی شافعیہ جنہوں نے سال گزشتہ میں خلاف کیا تھا انہوں نے بھی مہر کردی'' (مسئلہ اذان ثانی کا تاریخی پس منظر: ڈاکٹر غلام جابر: ص ۱۷)

بتایا جائے ''مکتوبات علما وکلام اہل صفا'' سے لے کر ''شمائم العنبر'' کی تصدیق کرنے والے ۱۵ علمائے حرمین تک، سب کے سب مسئلہ کی حقیقت سے نا آشنا تھے، انہیں فقہا کے اقوال اور تعامل وتوارث کی حقیقت نہیں معلوم تھی اور ان سب کا ''قبلۂ تفقہ'' گم ہوگیا تھا؟

اس مسئلہ پر فتاویٰ حامدیہ میں بھی دو علمائے عرب کے فتاویٰ نقل ہیں قارئین اسے ملاحظہ فرمائیں اور بتائیں کیا اس مسئلہ میں امام احمد رضا تنہا مکروہ کے قائل ہیں؟ مفتی حرم نبوی شریف فضیلۃ الشیخ محمد توفیق ایوبی ایک استفتا کے جواب میں فرماتے ہیں:

ان السنة الثابتة عنه ﷺ وعن سیدنا ابی بکر وعمر انما ھو التاذین علی باب المسجد والمتبادر انھا فی خارجہ لا فی داخلہ ویؤید ذالک ما نقل عن المالکیہ والحنفیہ من کراھة الاذان داخل المسجد، یعنی عہد رسول اللہ ﷺ اور شیخین رضی اللہ عنہما سے سنت ثابتہ یہ ہے کہ اذان مسجد کے دروازہ پر ہی

مشروع ہے اور تبادر امر یہ ہے کہ اذان خارج مسجد ہے داخل مسجد نہیں، اس کی تائید مالکیہ وحنفیہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جو داخل مسجد کی کراہت میں بیان کیا گیا ہے ۔

حرم نبوی شریف کے دوسرے مدرس مفتی مالکیہ مفتی احمد الجزائری الحسینی اپنے فتویٰ میں داخل مسجد کو مکروہ اور بے فائدہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

۔۔۔ فانه فعله في المسجد لاثمرة له من اسماع الخارجين ليسعوا الى ذكر الله ويذروا البيع وكل مايشغل واما الحاضرون في المسجد فلا حاجة لهم بالاذان وكره مالك رحمه الله تعالى فعله فيه وقال بعضهم انه بدعته مضيعة لثمرته۔ مسجد میں اذان کا کچھ فائدہ نہیں ان لوگوں کو جو مسجد سے خارج ہیں تاکہ ذکر اللہ کی طرف سعی کریں اور خرید وفروخت اور ان چیزوں کو چھوڑ دیں جو نماز کے لئے مانع ہے اور حاضرین مسجد کے لئے اذان کی حاجت نہیں حضرت امام مالک نے اذان فی المسجد کو مکروہ جانا ہے اور بعض فقہانے اسے بدعت مضیعہ کہا ہے۔

اسی لئے محقق خانقاہ برکاتیہ حضرت محمد میاں برکاتی علیہ الرحمہ اپنی کتاب ''مبحث الاذان'' میں لکھتے ہیں:

''اس سنت کا احیا اس زمانہ میں اللہ عزوجل نے حضرت فاضل بریلوی کے ہاتھ پر مقدر کیا تھا جو ان سے بفضلہٖ تعالیٰ ہوا اور ہو رہا ہے'' (مبحث الاذان: ص ۲)

اور مارہرہ شریف کے بزرگ حضور ابوالقاسم محمد اسمٰعیل حسن الملقب بہ شاہ جی میاں علیہ الرحمہ نے تو یہ فرما کر مسئلہ کی حقانیت پہ مہر لگادی کہ:

یہ مسئلہ از روئے تحقیق بھی یہی ہے کہ اذان خارج مسجد ہو اگر حضرت تاج الفحول قدس سرہ اس وقت پردہ فرمائے ہوئے ہماری ظاہری نظروں سے نہ ہوتے تو اس مسئلہ کو اور زیادہ قوی دلیلوں سے ثابت فرمادیتے کہ اذان مسجد سے باہر ہی چاہئے ۔(مسئلہ اذان ثانی کا تاریخی پس منظر: ڈاکٹر غلام جابر: ص ۵۰)

حرف آخر:

ان تمام تفصیلات سے یہ حقیقت عیاں ہوگئی کہ مسئلہ اذان واقامت میں اہل سراواں کا قول وعمل اہل سنت وجماعت کے خلاف اور ان کے معارض ہے، یوں ہی بعض اعتقادی مسائل میں بھی ان کا فکری میلان غیر مقلدین کی طرف ہے، ان تمام مجموعہ افکار کو سامنے رکھ کر جائزہ لیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ اہل سراواں اہل سنت وجماعت سے انحراف میں بڑی جرأت کا مظاہرہ کررہے ہیں یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ سنی مدارس کا فارغ سراواں جاتے ہی اتنا بدل جائے کہ اہل سنت کے خلاف اعلان جنگ کردے، یہ سوچنے کی بات ہے کہ آخر سراواں میں ایسا کیا ہے کہ مدارس کی آٹھ سالہ تعلیمی زندگی یہاں آکر یک لخت تلون وتوہب میں بدل جاتی ہے۔ یہ المیہ بھی سنگین مسئلہ بنتا جارہا ہے کہ سراواں میں تعلیم پانے والے طلبہ ایام تعطیل میں گھر آکر انہیں معمولات کو رائج کرنے کے لئے جدال وپیکار تک کے لئے آمادہ ہوجاتے ہیں جو وہ سراواں میں دیکھتے ہیں، اب اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی سراواں کو آنکھوں کا سرمہ اور سر کا تاج بنانے کا گناہ وہی مول لینا چاہے گا جسے دین سے زیادہ دنیا پسند ہو ؎

جس کو ہو جان ودل عزیز تیری گلی میں جائے کیوں

یہ کہہ کر میں اپنی بات مکمل کررہا ہوں کہ مسئلہ اذان واقامت میں اہل سراواں بزرگوں کی کتابوں کی روشنی میں اپنی اصلاح کرنے کے بجائے اگر اہل سنت کی مخالفت پر ہی مصر ہیں تو حضور مفتی اعظم ہند نے جن ڈیڑھ ہزار سوالات کی نشاندہی کی ہے، پہلے اس کے جوابات دے دیں تاکہ سمجھ میں آجائے کہ اہل سرواں کا مبلغ علمی کیا ہے اور وہ اس اختلاف میں اپنے موقف پہ کتنے مطمئن ہیں۔

□□□
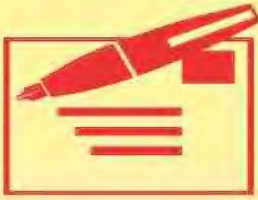
قارئین کے تاثرات

نوٹ: مضامین کی کثرت کے سبب تاثرات روک لیے گئے ہیں، جن حضرات نے اپنے گراں قدر تاثرات ہمیں ارسال کیے ہیں وہ خفا نہ ہوں، ان شاء اللہ اگلے شماروں میں شائع کردیے جائیں گے۔

الرضا: مسلک اعلیٰ حضرت کا بے باک ترجمان

مولانا عبد المالک رضوی

چیف ایڈیٹر سہ ماہی رضائے مدینہ جمشید پور

ادیب نکتہ سنج، چیف ایڈیٹر الرضا۔۔۔۔۔۔۔۔سلام مسنون

الرضا کا تازہ شمارہ اپنے سابقہ طمطراق اور جلوہ سامانیوں کے ساتھ زینت نگاہ بنا۔ تمام مشمولات گراں قدر اور لائق مطالعہ ہیں خاص طور سے اپنے شاندار ماضی کے تابندہ نقوش سے صرف نظر کرکے حال کی چمک دمک پر وارے نیارے ہونے روشن خیال افراد کی فکری کج روی کو آشکارا کرنے والا اداریہ بہت بولڈ اور انرجی بخش ہے۔ ماضی کے جن حقائق کو پیش کرکے حال کی تعمیر کی دعوت دی گئی ہے یقیناً لائق توجہ اور قابل اعتنا ہے۔ اللہ کرے زور قلم اور ہو زیادہ۔ اس کے علاوہ عصر حاضر کے تناظر میں جن سلگتے ہوئے مسائل کو زینت رسالہ بنایا گیا ہے اور مرکز اہل سنت بریلی شریف کی جس بے باکی اور جرأت ایمانی کا اظہار کیا گیا ہے وہ بھی بہت خوب ہیں۔ آج توسع پرعمل کی ایسی وبا چل پڑی ہے جس سے ہمارے امتیاز ملیا میٹ ہوتے نظر آرہے ہیں ایسے لوگوں کے افکار وخیالات کی ترجمانی اور جسارت بے جا پر قدغن لگانا نہایت ضروری ہے۔ الرضا اس تعلق سے اپنی پوری ذمہ داری ادا کررہا ہے یہ نہایت خوش آئند اور قابل مبارک باد ہے۔ اس کے لیے چیف ایڈیٹر کے ساتھ پوری ٹیم ہدیۂ تبریک کی مستحق ہے۔

آج کے مادہ اور مفاد پرست ماحول جب کہ لوگ سستی شہرت اور چند سکوں کے عوض حقائق کا خون اور اپنے اسلاف کی ردائے عظمت کو تار تار کررہے ہیں الرضا کی مستحکم آواز اہل محبت کے دلوں میں حوصلہ اور رگوں میں خون فراہم کرنے کا کام کررہا ہے۔ دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اسے نظر بد محفوظ رکھے اور دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

□□□

مشمولات عمدہ اور افادی ہیں

مولانا مفتی محمد صابر رضا محب القادری

فخر صحافت ماہر رضویات ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب قبلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اس دور پر فتن میں جبکہ ہر طرف الحاد و بے دینی کا بڑھتا ہوا رجحان ہے اور اس کے منفی اثرات نے لوگوں کو اپنے حصار میں لے رکھا ہے۔ کچھ نام نہاد روشن دماغ ملا جو عصبیت اور عناد کی بنیاد پر حقائق کو مسخ کرنے کے درپے ہیں۔ اکابر سے الجھنے کی سعی لاحاصل کی جارہی ہے۔ ایسے موقع سے الرضا کی ہر تحریر ان کے ناپاک ارادوں کے لئے تریاق کی حیثیت رکھتی ہے یہ سب آپ کی مساعی جمیلہ اور جہد مسلسل کا نتیجہ ہے۔ یوں تو آپ کی ہر تحریر رشک قمر بن کر قارئین کے قلب ونظر کو منور کرتی ہے۔ اور ارباب فکر وشعور کو دعوت فکر دے رہی ہوتی ہے۔ اس وقت دو شمارے مارچ، اپریل، اور جولائی، اگست میرے پیش نظر ہیں۔ اول الذکر شمارہ میں اداریہ خانقاہ ودرسگاہ میں برتری کی جنگ اور مسلمانوں کا مستقبل اپنی اہمیت اور افادیت کے اعتبار سے بہت خوب ہے۔ اس کے علاوہ استاذ گرامی فقیہ ملت حضرت مفتی محمد حسن رضا نوری مدظلہ العالی کا انٹرویو بہت ہی معنیٰ خیز ہے۔ اور انٹرویو کا وہ اقتباس جو سرورق موجود ہے کہ ''جماعتی حریف کے علاوہ جو لوگ بھی اس

تاثرات

عہد میں اعلیٰ حضرت سے کسی مسئلہ میں اختلاف کر رہے ہیں تو اس کی وجہ عصبیت اور احساس کمتری ہے۔ جماعت کے بڑے یقیناً علم وعمل اور سوچ وفکر کے اعتبار سے بڑے تھے۔ اس لیے انہوں نے امت مسلمہ کو اعلیٰ حضرت اور دیگر اکابر سے جوڑے رکھا اور آج بھی جڑے ہوئے ہیں اور جڑے رہیں گے۔ حسد کرنے والے فکری اعتبار سے چھوٹے لوگ ہیں یہ اسی عصبیت اور حسد کی آگ میں جل مریں گے۔ اعلیٰ حضرت کا کچھ نہیں بگڑے گا''۔ حضرت فقیہ ملت قبلہ نے اعلیٰ حضرت سے بغض رکھنے کی جو وجہ رقم فرمائی ہے بڑی معقول ہے۔ بلاشبہ اس کے علاوہ کوئی دوسری وجہ میری سمجھ نہ آسکی اور یہ بھی حق ہے کہ اس سے اعلیٰ حضرت کا کچھ نہیں بگڑنے والا۔ آپ کی ذات ہر زاویئے سے مسلم تھی ہے اور رہے گی۔ اس کے علاوہ مضامین کے کالم میں ''اتحاد کا قاتل کون'' ہندوستان کا بدلتا سیاسی منظر نامہ وغیرہ سارے مشمولات عمدہ ہیں۔ جولائی اور اگست کے شمارے میں اداریہ ''ہوس کو ہے کارنشاط کیا کیا؟'' کے زیر عنوان ''عالم اسلام کے مسلمان ابھی ذلت ورسوائی کے بدترین دور سے گذر رہے ہیں سیاسی اور مذہبی کسی بھی اعتبار سے ان کا کوئی مستقبل نہیں۔

قائد سے محروم لائحہ عمل سے آزاد لامرکزیت کی شکار قوم کا نام آج مسلمان ہے''۔ یقیناً اس پر مسلمانوں کو غور کرنے کی ضرورت ہے کہ آج ہم کس دہانے پر کھڑے ہیں اور کدھر جا رہے ہیں۔ ہمارا مستقبل کیا ہوگا ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ تحقیقات اسلامی کے باب میں تربیت انسانی کے فکری مراحل ایک اچھا اور عمدہ مضمون ہے۔ ساتھ ہی ''ہادی الاضحیہ کا تجزیاتی مطالعہ'' محب گرامی حضرت مولانا غلام سرور قادری کے قلم سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ بڑی خوشی ہوئی اور حالات حاضرہ کے کالم میں جماعت اہل سنت کے باشعور علماء کے مختلف عناوین کے تحت مضامین نے شمارہ کی اہمیت میں چار چاند لگا دیا ہے۔ مصاحبات کے باب میں استاذ العلماء حضرت مفتی عطاء اللہ نعیمی صاحب سے ایک ملاقات ہندوستان کا پاکستان اور دیگر ممالک کے علماء ومشائخ سے قلبی محبت کا آئینہ دکھاتا ہے۔ مطالعہ رضویات کے تحت حضرت ڈاکٹر غلام مصطفےٰ نجم القادری صاحب ''امام احمد رضا اور جدید سائنس'' نے شمارے میں روح پھونک دی۔ اور مولانا غلام مصطفےٰ صاحب نعیمی کی تحریر ''مفتی اعظم ہند اور صدر الافاضل کی کچھ یادیں کچھ باتیں'' پڑھ کر بہت محظوظ ہوا۔ صدر الافاضل کے چمن میں تین سالہ زندگی گذارنے کا شرف احقر کو حاصل رہا خصوصی گوشہ ''مفتی شعیب رضا نعیمی صاحب'' میں علمائے کرام نے جس رنج وغم کا اظہار کیا ہے وہ مبنی بر صدق ہے ان کی رحلت سے ملت کا بڑا خسارہ ہوا۔ اللہ عزوجل ان کو غریق رحمت فرمائے اور ان کے صدقے ہم سب کی بھی مغفرت فرمائے۔ اور الرضا کی پوری ٹیم کو سلامت رکھے نظر بد سے بچائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

□□□

سارے مضامین لائق مطالعہ اور قابل قدر ہیں

■ محمد جمیل اختر رضوی
ناظم اعلیٰ دار العلوم مصطفائیہ تعلیم الاسلام
وکیل ٹولہ پچھلا، سورجاپور، اتر دیناجپور بنگال

محقق عصر محب گرامی حضرت مفتی ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب قبلہ سلام مسنون

آپ کی ادارت میں نکلنے والے دونوں رسالوں سے مستفیض ہونے کا موقع ملتا ہے۔ رسالے کے مشمولات، مضامین ومقالات کے مطالعے سے قلب روح اور ایمان وعقیدے کو تازگی ملتی ہے۔ حسب سابق دوماہی الرضا کا تازہ شمارہ دین ودانش کے جواہر پاروں کے ساتھ باصرہ نواز ہوا۔ سارے مضامین لائق مطالعہ اور قابل قدر ہیں۔ آپ کا اداریہ ''یہ خموشی فغاں نہ بن جائے''، جماعتی موقف سے بغاوت کے مرتکبین اور اس کی پشت پناہی کرنے والوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ سچ فرمایا تھا حضور قائد ملت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے پریس کی بدولت صرف گھنٹوں میں شقاوتوں کا عالمگیر سیلاب امنڈ سکتا ہے۔ آج وہی سب کچھ ہو رہا ہے۔ اور المیہ یہ ہے کہ اغیار کو تو چھوڑیئے اپنے بھی

مار آستین بنے ہوئے روشن خیالی کے نام پر کچھ ہوس پرست صوفیوں اور نومولود قلم کاروں نے مسلک میں بے اعتدالی اور اسلاف بیزاری کی جو مہم چھیڑی ہے کہیں اس ناپاک مہم کی زد میں آکر ہماری نوجوان نسل تباہ و برباد نہ ہوجائے۔ اور شقاوتوں کے سیلاب میں بہہ جائے۔ افسوس اسلام وسنیت تصوف وروحانیت کے نام پر لوگوں کو گمراہ کیا جارہا ہے۔ اس حوالے سے حضرت ڈاکٹر یحیٰ انجم مصباحی صاحب انٹرویو کا یہ اقتباس بڑا دلچسپ ہے جنہوں نے فرمایا کہ: ''آج تصوف کی آڑ میں جو کچھ ہورہا ہے وہ ہمارے مقدس صوفیائے کرام کی شبیہ بگاڑنے کی مضموم کوشش ہے۔ ہر اس چیز کو تصوف کا نام دیا رہا ہے جو ہمارے اکابر مشائخ کرام کے کبھی ذہن و دماغ میں بھی نہیں آیا ہوگا۔ صوفیانہ میوزک، صوفیانہ رقص، بدعملی، گیسو درازی، لال پیلے کپڑے پہن کر یک جہتی کے نام پر بلا تفریق مسلک وملت ہر ایک کے ساتھ نشست و برخاست اور نہ جانے کیا کیا تصوف کے نام پر کیا جارہا ہے۔'' بلاشبہ ڈاکٹر صاحب کا ایک ایک جملہ موجودہ حالات کی ترجمانی کررہا ہے۔ اور یہ سارے حقائق پر مبنی ہے، لیکن اس پر طرفہ تماشہ یہ کہ ہر طرف پر اسرار خاموشی ہے۔ اس خاموشی نے ان آزاد خیالوں کو بے لگام کردیا ہے۔ خوشی ہوتی ہے کہ آپ نے اس توڑنے اور ٹوٹنے کے ماحول میں اپنے اس موقر رسالہ کے ذریعے انہیں دعوت فکر وعمل پیش کی ہے۔ اور اتحاد کی راہ دکھانے میں شبانہ روز منہمک ہیں۔ یقیناً اسلاف کی روح خوش ہورہی ہوگی انتشار واختلاف کے اس ماحول میں الرضا امیدوں کا چراغ اور اسلاف واکابر کی روشن تعلیمات کا محافظ ہے۔ اور مسلک کے حریفوں کے لیے اعلیٰ حضرت کے اس شعر کے مصداق ہے:

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

دعا گو ہوں اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ الرضا کی پوری ٹیم اور جملہ قلم کار اکابر علماء ومشائخ کو تادیر سلامت رکھے۔ اور جزائے خیر عطا فرمائے اخیر میں عاجزانہ درخواست ہے کہ آپ اور آپ کے تمام رفقاء بھی دار العلوم مصطفائیہ تعلیم الاسلام، پچھلا اتر دیناجپور بنگال، اس ادارہ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اور مفید مشوروں سے نوازیں۔

□□□

اگر میں ممتحن ہوتا تو نمبر سو کا سو دیتا

■ مولانا طارق رضا شمسی، گجرات

مکرمی جناب امجد رضا امجد صاحب السلام علیکم

اللہ آپ کی عمر دراز کرے خدمت دین حق قبول فرمائے۔ آپ کی تحریر پڑھنے کے بعد دل سے بہت دعائیں نکلتی ہیں سچ کہتا ہوں کہ

اگر میں ممتحن ہوتا تو نمبر سو سو کا دیتا

الرضا پیش نظر ہے کن الفاظ میں تاثر پیش کروں، کس صفحہ اور مضمون کو سراہوں اور کس کس کی داد دوں

کوئی مصور اتارے کیسے تمہارے نقشے تمہارے جلوے
تیری ہر اک ادا بولتی ہے یہاں سے پہلے یہاں سے پہلے

اداریہ پڑھنے اور خالد ایوب مصباحی کے بے جا اعتراض کو دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچا کہ سابقہ دور میں بھی کفار ومشرک کی چالوسی کرنے والے نام نہاد مولوی اور لیڈر رہتے اور ساتھ ہی بریلی میں حق کی آواز بلند کرنے والے نڈر بھی تھے۔ آج بھی بریلی سے دلیرانا صدائیں بلند ہورہی ہیں اور کچھ لوگ انداز دلربانہ پیش کررہے ہیں، مگر افسوس کی بات تو یہ ہے دور سابق میں دیوبندی وہابی اغیار کے چاپلوس تھے مگر آج اپنوں میں ہیں اور کچھ لوگ دلربانہ صدائیں بلند کررہے ہیں۔ یہ چمچہ گیری کرنے والے ہی صلح کلیت پھیلاتے ہیں جب تک چمچہ چلتا رہے گا تیل پانی اکٹھا رہیں گے، جیسے ہی چمچہ ہٹا تیل الگ پانی الگ۔

مولانا سرور قادری کا مضمون ھادی الاضحیہ کا تجزیاتی مطالعہ ایک خاموش پیغام دے رہا ہے ان محققوں کو جو اپنی تحقیق کو اعلیٰ حضرت کی تحقیق پر ترجیح دیتے ہیں۔

یہ بیسویں صدی کا تعجب تو دیکھیے
قطرہ اچھل رہا ہے سمندر کے سامنے

ان کے علاوہ بھی جتنے مضامین ہیں سب عمدہ اور قابل مطالعہ ہیں

□□□

الرضا اہل حق کی آواز ہے

■ مولانا عبدالکریم: گوگنڈی ممبئی

مدیر منیر ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت آپ کے رسالہ الرضا کا مستقل قاری ہوں اور رہنا چاہتا ہوں، مگر کبھی رسالہ ملتا نہیں اور کبھی بہت تاخیر سے۔ جس کے سبب ذہنی اذیت سے دوچار ہونا پڑتا ہے، ایسا اور کسی رسالہ کے ساتھ نہیں صرف الرضا کے ساتھ ہے شاید اس کی وجہ اس کی بے باکی، حق گوئی اور بروقت مخالفوں کا احتساب اور نوٹس لینا ہے۔ اللہ اس رسالہ کو بدنظری سے بچائے۔ میں تو کہتا ہوں اسے دوماہی کے بجائے ماہنامہ کیجئے انشا اللہ سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔

حالیہ شمارہ جس میں مسلمانوں کی مرعوبیت کا نقشہ کھینچا گیا ہے بہت بہتر اور حالات کی صحیح عکاسی ہے، اس شمارہ میں حال کا جائزہ لیتے ہوئے ماضی میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی مرعوبیت کے خلاف جدو جہد اور ان کے اعلان حق کا تذکرہ ہوا ہے وہ بھی حقیقت افروز اور آج کے مسلمانوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ کل سے لے کر آج تک مرعوبیت کی داستان عجیب پڑھ کر حیرت بھی ہوتی ہے اور رونا بھی آتا ہے۔ مسلمان اور اتنا گر جائے حیرت ہے۔

اس شمارہ کی دیگر مشمولات بھی عمدہ اور قابل مطالعہ ہیں، ہر مضمون اپنی جگہ انتخاب معلومات ہوتا ہے۔ ہمارے حلقہ کے علما و طلبہ ہمارے تلامیذ و معتقدین سب اس سے متاثر اور اس کے مطالعہ کے خواہاں رہتے ہیں۔

تاثرات کا کالم بھی یہ واضح کرتا ہے کہ الرضا کے پیغام کو قاری کس نگاہ سے دیکھتے ہیں آپ کے اٹھائے گئے سوالات سے سب کا اتفاق یہی واضح کرتا ہے الرضا وقت کی آواز اور سب اہل حق کی آواز ہے۔

□□□

Al Raza is the mirror of Ahle Sunnat w Jamat

■ Affan Raza Khan

Respected researcher scholar dr mufti amjad raza khan

Assalomoalikum

Al raza international,which is a famous magzine in all over the world.It is fame for showing the real image of Ahle sunnat w jamat. And it is read in all over world with great enthesium.I have listened the name of Al–raza from saying of my elder brother Hafiz Hammad raza khan.but I have read Al Raza international on the desk of our school principle dr zakir hussion school.After going through the nuances of this magzine,I have to say that really AL- RAZA shows the real image of ahle sunnat w jammat.The chief editor of Al–Raza international,Dr mufti Amjad raza khan,his editorial with heading"ten talak ka masla aur hukumat ka manfi rawaiya"what an aggressively elaborated heading that makes me to swim around the pages of this magzine.I have read the editorial that suggest, modi's govt. engaged India in useless matter.It mean that In islam women not get their rights,but the fact is that the almighty has distributed.The almighty has synchronised the right of plantsanimals,then how rights not been given to womens in the light of islam. This is only a conspiracy to divert mind of the muslims women and the citizens of india in genral.The data given by The chief editor concedring the statistical proposition of the"R T C"report is an open evidence.A very big thing about this magzine is that world biggest pir ,the light of glimpse'"huzur Azhari Miyan"is with this magzine.I do realize that this magzine in a way provide a platform even for an youth like myself to water down his or her opinion/ feedback.

I congratulate all the member of this magzine"AL–RAZA."

I sum up by these words"may Allah bless"All the member of this magzine and they live long and thanks for giving me this golden opportunity to put my views on.

تاثرات

اذان ثانی کہاں ہو۔!!

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی

جمعہ کی اذان ثانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کہاں ہوتی تھی؟

سوال:

(۱) کیا فرماتے علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ کی اذان ثانی جو منبر کے سامنے ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد کے اندر ہوتی تھی یا باہر؟

(۲) خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں کہاں ہوتی تھی۔

(۳) فقہ حنفی کے معتمد کتابوں میں مسجد کے اندر اذان دینے کو منع فرمایا اور مکروہ لکھا ہے یا نہیں؟

(۴) اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں اذان مسجد کے باہر ہوتی تھی اور ہمارے اماموں نے مسجد کے اندر اذان کو مکروہ فرمایا ہے۔ تو ہمیں اس پر عمل لازم ہے یا رسم و رواج پر۔ اور جو رسم و رواج حدیث شریف و احکام فقہ سب کے خلاف پڑ جائے تو وہاں مسلمانوں کو پیروی حدیث و فقہ کا حکم ہے یا رسم و رواج پر اڑا رہنا۔

(۵) نئی بات وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفاے راشدین و احکام ائمہ کے مطابق ہو۔ یا وہ بات نئی ہے جو ان سب کے خلاف لوگوں میں رائج ہو گئی ہو۔

(۶) مکہ معظمہ و مدینہ منورہ میں یہ اذان مطابق حدیث وفقہ ہوتی ہے یا اس کے خلاف۔ اگر خلاف ہوتی ہے تو وہاں کے علمائے کرام کے ارشادات در بارہ عقائد حجت ہیں یا وہاں کے تنخواہ دار موذنوں کے فعل۔ اگر چہ خلاف شریعت و حدیث وفقہ ہوں۔

(۷) سنت کے زندہ کرنے کا حدیثوں میں حکم ہے۔ اور اس پر سو شہیدوں کے ثواب کا وعدہ ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو سنت زندہ کی جائے گی یا سنت مردہ۔ سنت اس وقت مردہ کہلائے گی جب اس کے خلاف لوگوں میں رواج پڑ جائے یا جو سنت خود رائج ہو، وہ مردہ قرار پائے گی۔

(۸) علما پر لازم ہے یا نہیں کہ سنت مردہ زندہ کریں۔ اگر ہے، تو کیا اس وقت ان پر یہ اعتراض ہو سکے گا کہ کیا تم سے پہلے عالم نہ تھے اگر یہ اعتراض ہو سکے گا تو سنت زندہ کرنے کی صورت کیا ہوگی۔

(۹) جن مسجدوں کے بیچ میں حوض ہے، اس کی فصیل پر کھڑے ہو کر منبر کے سامنے اذان ہو تو بیرون مسجد کا حکم ادا ہو جائے گا یا نہیں۔

(۱۰) جن مسجدوں میں منبر ایسے بنے ہیں کہ ان کے سامنے دیوار ہے اگر باہر اذان دے تو خطیب کا سامنا نہ رہے گا وہاں کیا کرنا چاہئے۔

امید کہ دسوں مسئلوں کا جدا جدا جواب مفصل مدلل ارشاد ہو۔ بینو توجروا۔

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں یہ اذان، مسجد سے باہر دروازے پر ہوتی تھی۔ سنن ابی داؤد شریف جلد اول (ص ۱۵۶) میں ہے: عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال یؤذن بین یدی رسول اللہ ﷺ اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد و ابی بکر و عمر۔ یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی اور ایسا ہی ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں۔ اور کبھی منقول نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفاے راشدین نے مسجد کے اندر اذان دلوائی ہو۔ اگر اس کی اجازت ہوتی تو بیان جواز کے لئے کبھی ایسا ضرور فرماتے۔

(۲) جواب اول سے واضح ہو گیا کہ خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم سے بھی مسجد کے باہر ہی ہونا مروی ہے۔ اور یہیں سے ظاہر ہو گیا کہ بعض صاحب جو بین یدیہ سے مسجد کے اندر ہونا سمجھتے ہیں۔ غلط ہے۔ دیکھو حدیث میں بین یدیہ ہے اور ساتھ ہی علی

باب المسجد ہے۔ یعنی حضور اقدس ﷺ وخلفاے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے چہرۂ انور کے مقابل مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی بس اسی قدر بین یدیه کے لئے درکار ہے۔

(۳) بے شک فقہ حنفی کی معتمد کتابوں میں مسجد کے اندر اذان کو منع فرمایا اور مکروہ لکھا ہے۔ فتاویٰ قاضی خان طبع مصر جلد اول صفحہ ۷۸، لا یوذن فی المسجد مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے۔ فتاویٰ خلاصہ قلمی ۶۲ لا یوذن فی المسجد مسجد میں اذان نہ ہو۔ خزانۃ المفتین قلمی فصل فی الاذان لا یوذن فی المسجد مسجد کے اندر اذان نہ کہیں۔ فتاویٰ عالم گیری طبع مصر جلد اول صفحہ ۵۵ لا یوذن فی المسجد مسجد کے اندر اذان کی ممانعت ہے۔ بحر الرائق طبع مصر جلد اول ص ۲۶۸ پر ہے لا یوذن فی المسجد مسجد کے اندر اذان کی ممانعت ہے۔ شرح نقایہ علامہ برجندی صفحہ ۸۴ فیہ اشعار بانہ لا یوذن فی المسجد (اس میں اس بات کی طرف کی توجہ دلائی گئی ہے کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے) امام صدر الشریعہ کے کلام میں اس پر تنبیہ ہے کہ اذان مسجد میں نہ ہو۔ غنیۃ شرح منیہ میں ہے الاذان انما یکون فی المئذنہ او خارج المسجد والاقامۃ فی داخلہ (ص ۳۵۷) اذان نہیں ہوتی مگر منارہ پر، یا مسجد سے باہر اور تکبیر مسجد کے اندر۔ فتح القدیر طبع مصر جلد اول (صفحہ ۱۷۱) قالوا لا یوذن فی المسجد علما نے مسجد کے اندر اذان دینے سے منع فرمایا۔ فتح القدیر طبع مصر جلد اول (صفحہ ۱۷۱) قالوا لا یوذن فی المسجد علما نے مسجد میں اذان دینے کو منع فرمایا ہے۔ ایضاً باب الجمعہ (صفحہ ۴۱۴) وذکر اللہ فی المسجد ای فی حدودہ لکراھتہ الاذان فی داخلہ۔

جمعہ کا خطبہ مثل اذان کے ذکر الٰہی ہے، مسجد میں یعنی حدود مسجد میں اس لئے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح طبع مصر جلد اول صفحہ ۱۲۸ یکرہ ان یوذن فی المسجد کما فی القھستانی عن النظم یعنی نظم امام زندویسی پھر قہستانی میں ہے کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے۔ یہاں تک کہ اب زمانہ حال کے ایک عالم عبد الحئی صاحب لکھنوی عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح سنہ وقایہ جلد اول صفحہ ۲۴۵ میں لکھتے ہیں قولہ بین یدیہ ای مستقبل الامام فی المسجد کان او خارجہ والمسنون ہو الثانی یعنی بین یدیه کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ امام کے روبرو ہو، مسجد میں خواہ باہر۔ اور سنت یہی ہے کہ مسجد کے باہر ہو۔ جب وہ تصریح کر چکے کہ باہر ہی ہونا سنت ہے تو اندر ہونا خلاف سنت ہوا تو اس کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ چاہے سنت کے مطابق کرو یا سنت کے خلاف۔ دونوں باتوں کا اختیار ہے۔ ایسا کون عاقل کہے گا بلکہ معنی وہی ہیں بین یدیہ سے یہ سمجھ لینا کہ خواہی نہ خواہی مسجد کے اندر ہو، غلط ہے۔ اس کے معنی صرف اتنے ہیں کہ امام کے روبرو ہو۔ اندر باہر کی تخصیص اس لفظ سے مفہوم نہیں ہوتی۔ لفظ دونوں صورتوں پر صادق ہے اور سنت یہی ہے کہ اذان مسجد کے باہر ہو تو ضرور ہے کہ وہی معنی لئے جائیں جو سنت کے مطابق ہیں۔ بہر کیف اتنا ان کے کلام میں بھی صاف مصرح ہے کہ اذان ثانی جمعہ کا بھی مسجد کے باہر ہی ہونا مطابق سنت ہے۔ تو بلا شبہ مسجد کے اندر ہونا خلاف سنت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۴) ظاہر ہے کہ حکم حدیث وفقہ کے خلاف رواج پر اڑا رہنا مسلمانوں کو ہرگز نہ چاہئے۔

(۵) ظاہر ہے کہ جو بات رسول اللہ ﷺ وخلفاے راشدین واحکام فقہ کے خلاف نکلی ہو، وہی نئی بات ہے، اسی سے بچنا چاہئے نہ کہ سنت وحکم حدیث وفقہ سے۔

(۶) مکہ معظمہ میں یہ اذان کنارہ مطاف پر ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ اقدس میں مسجد الحرام شریف مطاف ہی تک تھی۔ "منقسط علی قاری" طبع مصر صفحہ ۲۸۰ میں ہے المطاف ھو ما کان فی زمنہ ﷺ مسجدا، (یعنی رسول اللہ ﷺ کی ظاہری حیات میں مسجد حرام مطاف ہی تک تھی) تو حاشیہ مطاف، بیرون مسجد محل اذان تھا۔ اور مسجد جب بڑھائی جائے تو پہلے جو جگہ اذان یا وضو کے لئے مقرر تھی، بدستور مستثنیٰ رہے گی۔ ولہذا مسجد اگر بڑھا کر کنواں اندر کر لیا وہ بند نہ کیا جائے گا جیسے زمزم شریف۔ حالاں کہ مسجد کے اندر کنواں بنانا ہرگز جائز نہیں۔ فتاویٰ قاضی خاں وفتاویٰ عالم گیری صفحہ ۴۰ تکرہ المضمضۃ والوضو فی المسجد الا ان یکون ثمہ موضع اعد لذلک ولا یصلی فیہ (یعنی مسجد میں وضو اور کلی کرنا مکروہ ہے ہاں اگر اس کے لئے جگہ بنا دی گئی اور وہاں نماز نہ ہوتی ہو تو جائز ہے)

وہیں پر ہے لایحفر فی المسجد ولو قدیمتہ ترک کبئر
زمزم (یعنی مسجد میں کنواں نہ کھودا جائے گا ہاں قدیم کنواں ہے تو اسے
چھوڑ دیا جائے جیسے زمزم کا کنواں) تو مکہ معظمہ میں اذان ٹھیک محل پر
ہوتی ہے۔ مدینہ طیبہ میں خطیب سے بیس بل کہ زائد ذراع کے فاصلہ
پر ایک بلند مکبرہ پر کہتے ہیں۔ طریق ہند کے تو یہ بھی خلاف ہوا۔ اور وہ
جو بین یدیہ وغیرہ سے منبر کے متصل ہونا سمجھتے تھے، اس سے بھی رد
ہو گیا۔ تو ہندی فہم و طریقہ دونوں حرم محترم سے جدا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ مکبرہ، قدیم سے ہے یا بعد کو حادث
ہوا ------- اگر قدیم ہے تو مثل منارہ ہوا کہ وہ اذان کے لئے
مستثنیٰ ہے، جیسا کہ غنیۃ سے گزرا۔ اور اسی طرح ''خلاصہ و فتح
القدیر و برجندی'' کے صفحات مذکورہ میں ہے کہ اذان منارہ پر ہو یا
مسجد سے باہر، مسجد کے اندر نہ ہو۔ اس کی نظیر موضع وضو و چاہ ہیں
کہ قدیم سے جدا کر دئے ہوں۔ نہ اس میں حرج، نہ اس میں کلام۔

اور اگر حادث ہے تو اس پر اذان کہنا بالائے طاق ---- پہلے
یہی ثبوت دیجئے کہ وسط مسجد میں ایک جدید مکان ایسا کھڑا کر دینا جس
سے صفیں قطع ہوں، کس شریعت میں جائز ہے۔ قطع صف بلا شبہ حرام
ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں من قطع صفا قطعہ اللہ جو
صف کو قطع کرے اللہ اسے قطع کر دے۔ رواہ النسائی والحاکم
بسند صحیح ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نیز علما نے تصریح
فرمائی کہ ''مسجد میں پیڑ بونا منع ہے کہ نماز کی جگہ گھیرے گا'' نہ کہ یہ مکبرہ،
کہ چار جگہ سے جگہ گھیرتا ہے اور کتنی صفیں قطع کرتا ہے --------
بالجملہ اگر وہ جائز طور پر بنا تو مثل منارہ ہے، جس سے مسجد میں اذان ہونا
نہ ہوا۔ اور ناجائز طور پر ہے تو اسے ثبوت میں پیش کرنا کیا انصاف ہے۔

اب ہمیں افعال موذنین سے بحث کی حاجت نہیں۔ مگر
جواب سوال کو گزارش کہ ان کا فعل کیا حجت ہو۔ حالاں کہ خطیب
خطبہ پڑھتا ہے اور یہ بولتے جاتے ہیں جب وہ صحابہ کرام رضوان
اللہ تعالیٰ عنہم کا نام لیتا ہے یہ باآواز ہر نام پر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے
جاتے ہیں۔ جب وہ سلطان کا نام لیتا ہے تو یہ بہ آواز دعا کرتے ہیں
اور یہ سب بالاتفاق ناجائز ہے۔ صحیح حدیثیں اور تمام کتابیں ناطق
ہیں کہ خطبہ کے وقت بولنا حرام ہے۔ در مختار و رد المحتار
جلد اول صفحہ ۸۵۹ اما ما یفعلہ الموذنون حال الخطبۃ
من الترضی ونحوہ فمکروہ اتفاقاً یعنی وہ جو یہ موذن خطبے
کے وقت رضی اللہ عنہ وغیرہ کہتے ہیں یہ بالاتفاق مکروہ ہے۔ اسے
کون عالم جائز کہہ سکتا ہے۔ مگر سلطنت کے وظیفہ داروں پر علما کا کیا
اختیار؟ علمائے کرام نے تو اس پر یہ حکم فرمایا کہ تکبیر در کنار اس طرح
تو ان کی نمازوں کی بھی خیر نہیں۔ دیکھو فتح القدیر جلد اول صفحہ
۲۶۲ و ۲۶۳ در مختار و رد المحتار صفحہ ۲۱۵ ------- خود مفتی مدینہ
منورہ علامہ سید اسعد حسینی مدنی تلمیذ علامہ صاحب مجمع الانہر
رحمہما اللہ تعالیٰ نے تکبیر میں اپنے یہاں کے مکبروں کی سخت
بے اعتدالیاں تحریر فرمائی ہیں۔ دیکھو فتاویٰ اسعدیہ جلد اول
صفحہ ۸۔ آخر میں فرمایا ہے، اما حرکات المکبرین
وضعھم فانا ابرو الی اللہ تعالیٰ منہ۔ یعنی ان مکبروں کی
جو حرکتیں جو کام ہیں، میں ان سے اللہ تعالیٰ کی طرف برأت کرتا
ہوں'' اور اوپر اس سے بڑھ کر لفظ لکھا۔ پھر کسی عاقل کے نزدیک
ان کا فعل کیا حجت ہو سکتا ہے۔ نہ وہ علما ہیں نہ علما کے زیر حکم۔

(۷) بے شک احادیث میں سنت زندہ کرنے کا حکم اور اس
پر بڑے ثوابوں کے وعدے ہیں۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی
حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں من احیا
سنتی فقد احبنی و من احبنی کان معی فی الجنۃ۔ جس
نے میری سنت زندہ کی بے شک اسے مجھ سے محبت ہے اور جسے مجھ
سے محبت ہے، وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ اللھم ارزقنا
رواہ البحری فی الابانۃ والترمذی بلفظ من احب
۔ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے
ہیں من احیا سنتہ من سنتی قد امیتت بعدی فان
لہ من الاجر مثل اجور من عمل بہا من غیر ان
ینقص من اجورھم شیاء۔ جو میری کوئی سنت زندہ کرے
کہ لوگوں نے میرے بعد چھوڑ دی ہو، جتنے اس پر عمل کریں سب
کے برابر اسے ثواب ملے اور ان کے ثوابوں میں کچھ کمی نہ ہو۔ رواہ
الترمذی و راہ ابن ماجہ عن عمرو بن عوف رضی اللہ
عنہ تعالیٰ عنہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے
رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں من تمسک بسنتی عند
فساد امتی فلہ اجر ماۃ شہید ج وفساد کے وقت میری سنت

مضبوط تھامے، اسے سو شہیدوں کا ثواب ملے۔ رواہ البیھقی فی الزھد اور ظاہر ہے کہ زندہ وہی سنت کی جائے گی جو مردہ ہوگئی اور سنت مردہ جبھی ہوگی کہ اس کے خلاف رواج پڑ جائے۔

(۸) احیائے سنت علما کا تو خاص فرض منصبی ہے اور جس مسلمان سے ممکن ہو اس کے لیے حکم عام ہے۔ ہر شہر کے مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے شہر یا کم از کم اپنی اپنی مسجد میں اس سنت کو زندہ کریں اور سو سو شہیدوں کا ثواب لیں اور اس پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا ہے کہ کیا تم سے پہلے عالم نہ تھے۔ یوں ہو تو کوئی سنت زندہ ہی نہ کر سکے۔ امیر المومنین عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے کتنی سنتیں زندہ فرمائیں اس پر ان کی مدح ہوئی، نہ کہ الٹا اعتراض کہ تم سے پہلے تو صحابہ و تابعین تھے رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

(۹) حوض کہ بانیٔ مسجد نے قبل مسجدیت بنایا اگر چہ وسط مسجد میں ہو، وہ اور اس کی فصیل ان احکام میں خارج مسجد ہے۔ لانہ موضع اعد للوضوء کما تقدم یعنی وہ ایسی جگہ ہے جو وضو ہی کے لئے بنائی گئی ہے جیسا کہ اس سے قبل گزرا۔

(۱۰) لکڑی کا منبر بنائیں کہ یہی سنت مصطفی ﷺ ہے، اسے گوشۂ محراب میں رکھ کر محاذات ہو جائے گی اور اگر صحن کے بعد مسجد کی بلند دیوار ہے، تو اسے قیام موذن کے لائق تراش کر باہر کی جانب جالی یا کواڑ لگالیں۔

حضور ﷺ کے زمانہ میں اذان جمعہ کہاں ہوتی تھی؟ دوسری اذان کا اضافہ کب ہوا؟

سوال: کیا فرماتے علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں بروز جمعہ حضرت تاجدار مدینہ، ختم المرسلین کے زمانہ میں اذانیں کہاں ہوا کرتی تھیں اور ان کے کون کون مواقع تھے۔ پہلی اذان جو ہوتی ہے، وہ کہاں ہوتی تھی۔ اور دوسری جو اس زمانہ میں وقتِ خطبہ، خطیب کے سامنے، قریب منبر ہوتی ہے، وہ کہاں ہوتی تھی اور اگر حضرت کے زمانے میں ایک ہی اذان علی باب المسجد ہوتی تھی، تو دوسری جو خطیب کے سامنے قریب منبر ہوتی ہے، وہ کس کے حکم سے شروع ہوئی اور ائمہ کرام کے نزدیک اس کے جواز کی بابت کیا حکم ہے فقط۔

الجواب: زمانہ اقدس حضور ﷺ میں صرف ایک اذان ہوتی تھی جب حضور ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوتے، حضور کے سامنے مواجہ اقدس میں مسجد کریم کے دروازے پر ------ زمانہ اقدس میں مسجد (نبوی) شریف کے صرف تین دروازے تھے۔

(۱) ایک مشرق کو جو حجرہ شریف کے متصل تھا جس میں سے حضور ﷺ مسجد میں تشریف لاتے، اس کی سمت پر اب باب جبرئیل ہے۔

(۲) دوسرا مغرب میں جس کی سمت پر اب باب الرحمہ ہے۔

(۳) تیسرا شمال میں جو خاص محاذی منبر اطہر تھا۔ صحیح بخاری شریف میں انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے دخل رجل یوم الجمعۃ من باب کان وجاہ المنبر و رسول اللہ ﷺ قائم یخطب فاستقبل رسول اللہ ﷺ قائما فقال یا رسول اللہ۔ الحدیث۔ اس دروازے پر اذان جمعہ ہوتی تھی کہ منبر کے سامنے بھی ہوتی اور مسجد سے باہر بھی۔ زمانہ صدیق اکبر و عمر فاروق و ابتدائے خلافت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں یہی ایک اذان ہوتی رہی۔ جب لوگوں کی کثرت ہوئی اور شتابی حاضری میں قدرے کسل واقع ہوا۔ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک اذان شروعِ خطبہ سے پہلے بازار میں دلانی شروع کی۔ مسجد کے اندر اذان کا ہونا ائمہ نے منع فرمایا ہے اور مکروہ لکھا ہے اور خلافِ سنت ہے۔ یہ نہ زمانۂ اقدس میں تھا، نہ زمانہ خلفائے راشدین، نہ کسی صحابی کی خلافت میں، نہ تحقیق معلوم کہ یہ بدعت کب سے ایجا ہوئی، نہ ہمارے ذمہ اس کا جاننا ضروری ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہشام بن عبد الملک مروانی بادشاہ ظالم کی ایجاد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بہر حال جب کہ زمانہ رسالت وخلافت ہائے راشدہ میں نہ تھی اور ہمارے ائمہ کی تصریح ہے کہ مسجد میں اذان نہ ہو۔ مسجد میں اذان مکروہ ہے۔ تو ہمیں سنت اختیار کرنا چاہئے، بدعت سے بچنا چاہئے۔ اس تحقیقات سے کیا کام کہ سنت پہلے کس نے بدلی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے بھائیوں کو توفیق دے کہ اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کی سنت اور اپنے فقہائے کرام کے احکام پر عامل ہوں۔ اور ان کے سامنے رواج کی آڑ نہ لیں و باللہ التوفیق واللہ تعالیٰ اعلم۔

اگر اذان باہر دلانے میں فساد کا اندیشہ ہو؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ اذان جو خارج

مسجد کہنا مسنون ثابت ہوا ہے۔ اب بہ نظر فساد پھر یہ دستور قدیم اذان منبر کے پاس دینا جائز ہے یا نہیں۔ کیوں کہ در صورت عدم جواز اور فتنے کا احتمال قوی ہے۔ **بینوا و توجروا**

الجواب: یہاں دو چیزیں ہیں: (ایک) اتیان معروف و اجتناب منکر۔ (دوسرے) امر بالمعروف ونہی عن المنکر

مسجد میں اذان دینا ممنوع ہے اور اس میں دربار الٰہی کی بے ادبی ہے۔ تو جو مسجد اپنی ہے، اس میں خود مخالفتِ سنتِ نبی کریم ﷺ وارتکاب بے ادبی دربار عزت کا مواخذہ اس کی ذات پر ہے ------ اور جو مسجد پرائی ہے، اوروں کا اس میں اختیار ہے، اس کا مواخذہ اس پر ہے۔ اس کے ذمہ صرف اتنا رکھا گیا ہے کہ ازالۂ منکر پر قدرت نہ ہو تو زبان سے منع کردے اور اس میں بھی فتنہ وفساد ہو تو دل سے برا جانے۔ پھر ان کے فعل کا اس سے مطالبہ نہیں **قال اللہ تعالیٰ لاتزر وازرۃ وزر اخری الخ** ---- (کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) **وقال اللہ تعالیٰ یا ایہا الذین آمنوا علیکم انفسکم لا ضرکم من ضل اذا اھتدیتم** (پارہ ۵ ترجمہ: اے اہل ایمان تم پر اپنی جان لازم ہے تمہیں کوئی گمراہ نقصان نہیں پہنچا سکتا جب کہ تم ہدایت یافتہ ہو) **وقال ﷺ من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان** (تم میں سے جب کوئی برائی دیکھے تو ہاتھ سے اسے روکنے کی کوشش کرے اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے منع کرے اور اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے) اور جس طرح یہ دوسروں کو حکمِ شرع ماننے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ یونہیں دوسرے، حکم شرع کی مخالفت پر اسے مجبور نہیں کر سکتے۔ یہ اپنے نزدیک جو طریقہ اپنے رب کی عبادت اور اپنے نبی ﷺ کے اتباع سنت کا اپنی کتب دینیہ سے جانتا ہے دوسرا اگر اس میں مزاحمت کرے گا اور فتنہ وفساد اٹھائے گا تو اس کا ذمہ دار وہ دوسرا ہو گا۔ حکومت ہر مفسد کا ہاتھ پکڑنے کو موجود ہے۔ اس کے ذریعہ سے بندوبست کرا سکتا ہے۔ ہاں اگر یہ صورت بھی ناممکن ہوتی اور مفسدوں کا خوف حد مجبوری تک پہنچا تا تو حالت اکراہ تھی اس وقت اس پر مواخذہ نہ ہوتا **قال تعالیٰ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان** (مگر وہ شخص جس کو مجبور کر دیا گیا اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہے)۔

بالجملہ دوسروں کو حکم کرنا ان کی سرکشی اور فتنہ پردازی کے وقت مطلقا ساقط ہو جاتا ہے۔ **کما نص علیہ فی الھندیۃ و غیرھا** اور خود عمل کرنا اس وقت ساقط ہوگا جب یہ بذریعہ حکومت بھی بندوبست نہ کر سکے اور حقیقی مجبوری ہو کر استطاعت اصلا نہ رہے **قال اللہ تعالیٰ فاتقوا اللہ ما استطعتم واسمعوا واطیعوا** (تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو جہاں تک ہو سکے اور حکم مانو) -------- باوصف قدرت بندوبست واستطاعت بحکومت، مجرد خوف یا کاہلی یا خودداری یا رورعایت یا نئی تہذیب یا صلح کل کی پالیسی سے اتباع شرع چھوڑ بیٹھنا جائز نہیں ہو سکتا۔ اسے یوں خیال کریں کہ مفسدین، آج اس امر کے لئے کہتے ہیں۔ کل کو اگر انہوں نے خود نماز پر فتنہ اٹھایا تو کیا نماز بھی چھوڑ دے گا۔ نہیں نہیں، بلکہ اس پر خیال کرے کہ مفسدوں نے کہا کہ اپنا مکان خالی کر دو، ورنہ ہم فساد کرتے ہیں۔ یا اپنی جائداد کا ہبہ نامہ لکھدو، ورنہ ہم فتنہ اٹھاتے ہیں۔ اس وقت ان کا کچھ بندوبست کرے گا، استغاثہ کرے گا، یا چپکے سے جائیداد و مکان چھوڑ بیٹھے گا۔ جو جب کرے گا وہ اب کرے۔ اور اتباع احکام شرع کو مکان وجائیداد سے ہلکا نہ جانے۔ ہاں دوسروں کے سر چڑھنے اور فتنہ وفساد کے اٹھانے کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ **قال تعالیٰ والفتنۃ اشد من القتل** فتنہ قتل سے بدتر ہے **وقال تعالیٰ لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا** زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ **وقال تعالیٰ لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون ما کانوا تعملون** اس امت کے لئے وہ ہے جو اس نے کیا اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے کیا۔ تم سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔ **نسئل اللہ العفو والعافیۃ وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم واللہ تعالیٰ اعلم**

□□□

خلفائے حضرت مہاجر مکی

اور نوادرِ امدادیہ

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی دہلی یونیورسٹی دہلی

نوادر امدادیہ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ فاروقی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض نادر خطوط کا مجموعہ ہے۔ ان میں سے بیشتر خطوط مولانا عبد السمیع بیدل (ساکن رامپور منہیاران وزیل لال کرتی میرٹھ) کے نام ہیں چند خطوط کے مکتوب الیہم دوسرے حضرات بھی ہیں۔

انہیں ''نوادر امدادیہ'' نام اس لئے دیا گیا کہ یہ خطوط غیر مطبوعہ ہیں اور پہلی بار شائع ہو رہے ہیں دوسرے یہ ایک اہم بحث سے متعلق ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ۱۳۰۲ھ/ ۸۴-۱۸۸۵ء میں مطبع ہاشمی میرٹھ سے ایک چار ورق کا فتویٰ شائع ہوا، جس پر تین غیر مقلد علماء کے دستخط تھے، اس کے علاوہ دیوبند، گنگوہ وغیرہ کے علماء نے بھی اس کی تائید کی تھی۔ اس کا عنوان تھا ''فتوائے مولود وعرس وغیرہ'' اس میں یہ کہا گیا تھا کہ اموات کی فاتحہ اور ایصال ثواب کی رسمیں جیسے سوم چہلم وغیرہ، یا عرس کرنا، ایصال ثواب کی نیت سے کھانے پر فاتحہ دینا، میلاد شریف پڑھنا، اس کی مجلس میں قیام کرنا وغیرہ سب بدعت اور گمراہی ہے، شرعاً ناجائز ہے۔

اس کے چند ماہ کے بعد ایک اور ۲۴ ورقی رسالہ شائع کیا گیا جس کا عنوان تھا ''فتوائے میلاد شریف یعنی مولود مع دیگر فتاویٰ'' یہ بھی مطبع ہاشمی میرٹھ سے شائع ہوا۔ اس میں بھی فاتحہ، عرس، میلاد شریف وغیرہ کی مذمت اور ان کے جواز سے انکار کیا گیا تھا۔

ان فتاویٰ کی اشاعت سے عام مسلمانوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں، تائید و تردید میں طرح طرح کی باتیں سامنے آنے لگیں تو کچھ حضرات نے حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مرید و خلیفہ مولانا عبد السمیع بیدل سے اس کا مدلل جواب لکھنے کی درخواست کی۔ انہوں نے ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۵ء میں ہی اس فتوے کی تردید میں کتاب ''انوار ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ'' لکھی اور اسے چار ابواب میں تقسیم کیا۔

پہلے چار ورقی فتوے میں کہا گیا تھا: ''محفل میلاد اور قیام وقت ذکر پیدائش آنحضرت ﷺ ۔۔۔۔۔ بدعت ہے۔۔۔۔۔ ایسا ہی حال سوم، دہم، چہلم وغیرہ اور پنج آیہ اور چنول اور شیرینی وغیرہ کا۔۔۔۔۔ کہ بدعات مخترعہ ناپسند شرعیہ ہیں۔''

اس خط پر دستخط کرنے والوں میں مولوی حفیظ اللہ، مولوی شریف حسین، مولوی الٰہی بخش، مولوی محمد یعقوب نانوتوی (مدرس اول مدرسہ دیوبند) اور مولوی محمد محمود (مدرس مدرسہ دیوبند) شامل تھے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی نے اس پر یہ فتویٰ لکھا تھا:

''ایسی مجلس ناجائز ہے اور اس میں شریک ہونا گناہ ہے اور خطاب جناب فخر عالم علیہ السلام کو کرنا، اگر حاضر و ناظر جان کر کرے کفر ہے، ایسی محفل میں جانا اور شریک ہونا ناجائز ہے اور فاتحہ بھی خلاف سنت ہے اور سوم بھی کہ یہ سنت ہنود کی رسوم ہے۔'' (رشید احمد عفی عنہ گنگوہی)

مولانا بیدل نے سب امور زیر بحث پر کتاب و سنت اور علماء سلف کے اقوال و آثار کی روشنی میں ایک مفصل جواب ''انوار ساطعہ'' کی شکل میں لکھا۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۵ء میں شائع ہوا۔ چونکہ دونوں فتاویٰ میں بھی بعض الفاظ سخت اور درشت استعمال ہوئے تھے ان کا رد کرتے ہوئے مولانا بیدل نے بھی کہیں کہیں تلخ الفاظ میں تردید کی۔

یہ رسالہ حاجی صاحب کی خدمت میں مکہ معظمہ پہونچا تو انہوں نے

اس کولفظاً لفظاً پڑھوا کر سنا اور متعدد خطوط میں اس کا اظہار کیا کہ جو باتیں انوار ساطعہ میں لکھی ہے وہ "فقیر کے مذہب ومشرب کے موافق ہیں۔"

مگر حاجی صاحب نے مولانا بیدل کو لکھا کہ جن الفاظ میں ترشی اور تیزی ہے وہ خارج کردیں، اس کا لب ولہجہ نرم اور شیریں رکھیں۔ اپنے پیرومرشد کے حکم کی تعمیل میں انہوں نے کتاب پر نظر ثانی کی اور ایسے سب الفاظ اور فقرے نکال دیے جن میں کوئی ادعا یا نفسانیت تھی یا تلخی اور تندی پیدا ہوگئی تھی اور دوسرا ایڈیشن حذف وترمیم کے ساتھ ۱۳۰۷ھ/ ۸۹۔۱۸۹۰ء میں شائع ہوا۔ اس کے بارے میں حاجی صاحب نے جن خیالات کا اظہار فرمایا وہ ان خطوط میں میں دیکھا جاسکتا ہے جو "نوادر امدادیہ" میں شامل ہیں۔

حاجی صاحب نے مولانا رشید احمد گنگوہی کو بھی یہی مشورہ دیا تھا کہ ان اختلافی مسائل کو مشتہر نہ کریں اور ان کے قائلین کو "ضال مضل وکافر ومشرک بنانا کیونکر صواب ومصلحت ہے" (مکتوبات ہدایت ص ۱۹) اور یہ بھی لکھا کہ "اگر دنیا میں کوئی رنج والم ہے تو یہی ہے کہ چند مسائل میں آپ کی رائے علماء دہر ومشائخ زمان کے خلاف ہے۔" (مکتوبات ہدایت ص ۱۸)

مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا گنگوہی اس معاملے میں اتنے سخت تھے کہ انہوں نے حاجی صاحب کو یہاں تک لکھ دیا کہ آپ چاہیں تو مجھے حلقۂ ارادت سے خارج کردیں۔ اس پر حاجی صاحب نے لکھا ہے:

"خارج کرنا چہ معنی فقیر تو تم علماء وصلحاء کی جماعت میں اپنا داخل ہوجانا موجب فخر دارین وذریعہ نجات ووسیلۂ فلاح کونین یقین کرتا ہے۔" (مکتوبات ہدایت ص ۱۸)

میلاد شریف پڑھنا، اس میں قیام کرنا، ایصال ثواب کے لئے فاتحہ پڑھنا یا بزرگوں کا عرس کرنا قطعی طور پر اگر قرآن وحدیث سے ثابت نہ ہو تب بھی یہ امور فروعات دین میں آتے ہیں اصول دین میں نہیں۔ ان پر طویل زمانے تک امت کے علماء ومشائخ کا معمول رہا ہے، اب اس کو ضلالت اور کفر وشرک کہنے سے ان اسلاف کو گمراہ اور جاہل سمجھنا لازم آتا ہے۔ قرآن کا فرمان تو یہ ہے کہ وجادلهم بالتى هى أحسن (النحل ۱۲۵)

فروعی مسائل میں تشدد کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے حنفی مسلک والے بھی دو گروہوں میں بٹ گئے۔ مولانا اشرف علی تھانوی کا بیان ہے کہ "حضرت مولانا گنگوہی واعظ دہلوی کی نسبت فرماتے تھے کہ متشدد بہت تھے اس قدر تشدد سے اصلاح نہیں ہوتی۔" (اشرف التنبیہ مطبع نادر پریس دہلی ۱۳۴۸ھ) کیا مولانا گنگوہی کا اس حد تک اصرار کہ "چاہیں تو بیعت سے خارج کردیں" تشدد نہیں ہے؟

اوامر شریعت کی بجا آوری سر آنکھوں پر، مگر بیعت بھی ایک عہد ہے جو اللہ سے کیا جاتا ہے مولانا تھانوی ہی نے فرمایا: "بیعت کی حقیقت یہ کہ طالب کی طرف سے التزام ہو اتباع کا اور شیخ کی طرف سے التزام ہو تعلیم وتوجہ کا۔" (خیر الافادات ص ۸۸) اگر یہ کہا جائے کہ غیرت دین کا تقاضہ یہی تھا کہ پیرومرشد کے حکم سے بھی مسائل شریعت کے بارے میں روگردانی کرلی جائے تو یہ دیکھا جائے گا کہ بزرگان سلف میں، اور گذرے ہوئے لاکھوں مسلمانوں میں، جو ان عقائد واعمال پر رہ کر چلے گئے انجام کیا ہوگا؟

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے علم وفضل، فقہی مہارت، اتباع سنت اور غیرت دینی کے بارے میں بظاہر ان حضرات علماء کو بھی انکار نہیں ہے۔ ان کے عقائد القول الجلی سے بالکل واضح اور جلی ہوگئے ہیں، برسوں پہلے پردۂ گمنامی میں رہنے کے بعد یہ کتاب ابھی تین سال قبل چھپی ہے اور حضرت مولانا ابوالحسن زید فاروقی علیہ الرحمہ سجادہ نشین درگاہ حضرت شاہ غلام علی نقشبندی نے اس کا متن شائع کردیا ہے اسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ عرس، فاتحہ، نذر ونیاز، سب کے قائل بھی تھے، عامل بھی۔ ان کی تصانیف میں انفاس العارفین مشہور ومستند کتاب ہے اس سے ان کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی کے عقائد و اعمال کا علم ہوتا ہے اسی کتاب میں حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی (پیرومرشد حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی) کے جانشین وفرزند حضرت خواجہ خرد علیہ الرحمہ کے بارے میں شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

"خواجہ خرد کبھی کبھار خواجہ محمد باقی باللہ کا عرس کرتے تھے۔ حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ میں نے کئی بار دیکھا ہے کہ کوئی شخص ان کے پاس آکر کہتا ہے کہ چاول میرے ذمہ، دوسرا آکر کہتا ہے: گوشت میرے ذمہ، تیسرا آکر کہتا ہے کہ فلاں قوال کو میں لاؤں گا۔ اسی طرح دوسرے انتظامات بھی ہوجاتے۔ خواجہ

خرد اس میں کوئی تکلف نہیں کرتے تھے۔

(انفاس العارفین اردو ترجمہ ص ۴۳ مطبع لاہور ۱۹۷۷ء)

ایک اور اقتباس انفاس العارفین ہی سے ملاحظہ فرمائیے:

''حضرت والد ماجد شاہ عبد الرحیم پھلت میں تھے۔ عرس کا دن تھا۔ ایک بزرگ تشریف لائے تو انہوں نے نغمہ شروع کردیا کچھ دیر کے بعد فرمایا کہ شیخ ابوالفتح کی روح ظاہر ہو کر رقص کر رہی ہے۔ اہل مجلس پر بھی اس کا کچھ اثر ہوا چاہتا ہے۔ ایک لمحہ بھی نہ گزرا تھا کہ اہل مجلس کی حالت دگرگوں اور ہائے وہو کے عجیب وغریب نعرے بلند ہونے لگے۔'' (انفاس العارفین ص ۸۳)

یہاں یہ ملحوظ رہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ کے والد بزرگوار شاہ عبد الرحیم نے خواجہ خرد (ف ۱۰۷۴ھ/ ۶۳-۱۶۶۴ء) سے دینی وروحانی استفادہ کیا ہے اور خواجہ خرد کی تعلیم وتربیت حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کی نگرانی میں ہوئی ہے۔

القول الجلی میں حضرت شاہ ولی اللہ کا زائچہ بھی دیا ہے او اس پر علم نجوم کی رو سے تبصرہ بھی لکھا ہے مثلاً یہ کہ ''نجومیوں کے مطابق جس سیارۂ فلکی میں آپ کی ولادت ہوئی اسی میں حضور سرور کائنات ﷺ کی ولادت ہوئی کہ شمس وعطارد برج حوت میں تھے اور یقینا یہی وجہ ہے کہ آپ وارث کمالات نبوت ہوئے۔'' (شاہ محمد عاشق پھلتی: القول الجلی مترجم حافظ تقی انور علوی، لکھنؤ ۱۹۸۸ء ص ۱۱)

شاہ صاحب کے بیشتر خطوط اور تالیفات میں نجوم کی اصطلاحات اور سیاروں کی تاثیر کا حوالہ ملتا ہے، یہ ممکن ہے اس عہد کے ہندوستانی معاشرے کے عام رجحان کا اثر ہو، بہر حال اسلام کی تعلیم میں یہ شامل نہیں ہے کہ نجوم پر یقین رکھا جائے، اگرچہ قرآن کریم میں اس کی طرف ایک اشارہ ملتا ہے: فنظر نظرۃً فی النجوم فقال انی سقیم (الصافات ۸۸-۸۹)

اس سے معلوم ہوا کہ علم نجوم میں انسان کی دلچسپی زمانہ ماقبل تاریخ سے رہی ہے (ا) مولانا محمد اسماعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان میں بے تکلف لکھ دیا کہ ستاروں کی تاثیر میں یقین رکھنے والا مشرک ہے، یہ بھی خیال نہ کیا کہ میرے جد امجد کیا لکھتے رہے ہیں۔ یہ بات صحیح ہے کہ خدا کے سوا کوئی فاعل مطلق نہیں ہے، مگر اسی بات کو ذرا مختلف انداز میں لکھنا چاہئے تھا، فوراً مشرک کا ٹھپا لگانے سے وہ بہتر ہوتا۔

یہاں زیادہ تفصیل میں جانے کی گنجائش نہیں، جو حضرات اس موضوع پر شرح وبسط کے طالب ہوں وہ القول الجلی کو تمام وکمال پڑھیں، اس پر حضرت مولانا ابوالحسن زید رحمہ اللہ کا مقدمہ ملاحظہ فرمائیں، مسعود احمد برکاتی صاحب کی کتاب ''شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کا خاندان'' کا مطالعہ کریں۔ انفاس العارفین کو نظر غائر سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ حضرت شاہ صاحب کی کتابوں میں تحریف بھی کی گئی ہے، بعض جعلی کتابیں دوسروں نے لکھ کر ان سے منسوب کردی ہیں اور اپنے عقائد کو شاہ صاحب کے فرمودات بنا کر پیش کیا ہے۔ ورنہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے عقائد وہی تھے جو تمام ممتاز مشائخ وصوفیہ کے اعمال ومعتقدات رہے ہیں۔

اسی طرح حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی مجدد الف ثانی کو عظیم مصلح متبع سنت اور مخالفت بدعات کہا جاتا ہے، اور ان کی خدمات جلیلہ اس پر گواہ ہیں، مگر ان کے عقائد واعمال کا بھی صرف وہی حصہ منظر عام پر لایا جاتا ہے جو ان حضرات کے مفید مطلب ہو۔ دیکھئے حضرت سرہندی کے ایک مقبول وممتاز مرید وخلیفہ شیخ بدر الدین سرہندی علیہ الرحمہ جو آخر وقت تک اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر رہے، لکھتے ہیں:

''چوں حضرت ایشاں بہ تقریب عرس حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ بہ دہلی تشریف بردند شیخ تاج کہ از کمل اصحاب واز اجلہ خلفاء حضرت خواجہ قدس سرہ از مشاہیر مشائخ ہند بود، نیز بہ دہلی آمدہ بودند''

جب آپ حضرت مجدد حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے عرس کی تقریب میں دہلی تشریف لے گئے تو شیخ تاج الدین سنبھلی بھی جو حضرت خواجہ قدس سرہ کے کامل اور ممتاز خلفاء میں اور ہندوستان کے مشہور مشائخ میں سے تھے دہلی آئے ہوئے تھے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ کا عرس ہوتا تھا، اس میں حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شیخ تاج الدین سنبھلی (ف ۱۰۵۱ھ/ ۱۶۴۱ء) بھی شرکت کے لئے آتے تھے۔ یہی نہیں، حضرت بدر الدین سرہندی کا بیان ہے:

''آں حضرت ہر سال در ایام عرس حضرت خواجہ قدس سرہ بہ دہلی تشریف می بردند'' (حضرات القدس ص ۵۶)

آں حضرت مجدد ہر سال حضرت خواجہ باقی باللہ کے عرس کے دنوں میں دہلی تشریف لے جاتے تھے۔اور حضرات القدس کا بیان ہے کہ مجدد صاحب زیارت قبور کو جاتے تھے، قبر کو بوسہ دینا اچھا نہ سمجھتے تھے مگر کبھی اپنے والد ماجد اور پیر و مرشد کے مزارات کو ہاتھ لگا کر چومتے تھے (ص ۸۷) قبر پر مراقبہ، توجہ کرتے تھے (۹۳) مردہ عزیزوں کو ایصال ثواب اور فاتحہ کے لئے کھانا پکواتے تھے:

''می گفتند کہ روزے بہ روح یکے از فرزندان متوفاے خود طعام برائے فقراء و درویشاں تیار کردہ بودم (حضرات القدس ۱۰۱)

فرماتے تھے کہ ایک دن میں نے اپنے مرحوم بیٹوں میں سے ایک کی روح کو ایصال ثواب کے لیے فقراء اور درویشوں کے واسطے کھانا تیار کرایا تھا۔

مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے حضرت خواجہ خواجگان معین الدین حسن سنجری اجمیری علیہ الرحمہ کی درسگاہ میں حاضری دینے کیلئے اجمیر کا سفر کیا، مزار خواجہ کے محاذ میں بہت دیر تک مراقبہ میں بیٹھے رہے، پھر اس مراقبے کی کیفیات بیان فرمائیں اور کہا:

''حضرت خواجہ اعطاف و الطاف بسیار نمودند و از برکات خاصہ خود ضیافات بہ ظہور آوردند و سخنان اسرار درمیان کردند''
(حضرات القدس ۱۰۵)

حضرت خواجہ اجمیر نے بہت نوازشیں فرمائیں او اپنی خاص برکتوں سے ضیافت کا اظہار کیا اور راز کی باتیں کیں۔

اسی زمانے میں حضرت خواجہ خواجگان کے مزار کا تہ پوش بدلا گیا تھا، جو سال میں ایک بار تبدیل ہوتا ہے، پرانا تہ پوش ممتاز مشائخ میں سے کسی کو یا بادشاہ وقت کو پیش کردیا جاتا تھا۔ خدام درگاہ وہ تہ پوش لے کر حضرت مجدد کی خدمت میں آئے اور کہا کہ اس کا حقدار آپ سے زیادہ کوئی نہیں۔ حضرت نے وہ چادر نہایت ادب سے وصول کی اور فرمایا کہ اس متبرک کپڑے کو ہمارے کفن کے لئے محفوظ رکھو (حضرات القدس ۱۰۵)

حضرت مجدد خود فاتحہ دلاتے تھے، فاتحہ کا کھانا تقسیم کراتے تھے، محفل فاتحہ کہیں ہو تو اس میں شرکت کے لئے جاتے تھے۔

سماع و رقص کے بارے میں مجدد صاحب نے فرمایا کہ کبھی بارو جود سے آسائش کی ضرورت ہوتی ہے تو ایک گروہ سماع و رقص میں خود کو مشغول رکھتا ہے، دوسرا تصنیف و تالیف میں مصروف ہو جاتا ہے (ص ۱۴۲) یعنی سماع و رقص کرنے والوں کو بھی ''ضال و مضل و کافر و مشرک'' جیسے الفاظ سے یاد نہیں کیا۔

حضرت مجدد کے فرزند خواجہ محمد صادق کا انتقال اپنے والد کی حیات ہی میں ہو گیا تھا۔ مجدد صاحب نے ان کی قبر پختہ بنوائی اور اس پر قبہ بھی تعمیر کرایا۔ یہی نہیں اپنا مقبرہ بھی خواجہ محمد صادق کے سرہانے کی طرف اپنی زندگی ہی میں بنوالیا تھا۔

''ایشاں را در قبہ منورہ کہ آں حضرت قدس سرہ بالاے مزار فرزند بزرگوار خود اعنی خواجہ محمد صادق تعمیر فرمودہ بودند، نگاہ داشتند۔

آپ کو اس نورانی قبہ میں جو آپ نے اپنے بڑے فرزند خواجہ محمد صادق کے سرہانے بنوایا تھا، رکھا گیا۔ (حضرات القدس ۲۰۹) جمعہ کے دن درویشوں کے ساتھ خواجہ محمد صادق کے مزار پر حلقہ بھی کرتے تھے (ص ۲۳۳)

اس سے زیادہ وضاحت سے کچھ لکھنے کا یہاں موقع نہیں۔ ان شواہد کی روشنی میں تو منطقی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ (نعوذ باللہ) حضرت شیخ احمد سرہندی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی ''ضال و مضل (یعنی گمراہ اور گمراہ کرنے والے) کافر و مشرک'' ہوئے۔

غیرت دین بہت اچھی صفت ہے مگر اس میں بھی شدت اور افراط ہو تو وہ تفریق و انتشار کا سبب بن جاتی ہے، اور یہی اس ہنگامے کا نتیجہ ہوا جو میلاد شریف، عرس، فاتحہ، نذر، نیاز وغیرہ کو خلاف شرع بلکہ شرک بتانے کے نام پر کیا گیا۔

قبر پر نذر ماننے یا اس کی برکت سے حاجات طلب کرنے کا عمل صدر اسلام میں بھی ہو رہا تھا (۱) حضرت ابو ایوب انصاری کا انتقال ۵۲ھ میں ہوا تھا، قسطنطنیہ میں مدفون ہیں ابن سعد نے لکھا ہے:

لقد بلغنی ان الروم یتعاھدون قبرہ ویرمونہ ویستسقون بہ اذا قحطوا (الطبقات ج ۳ ص ۴۸۵)

مجھے معلوم ہوا ہے کہ اہل روم ان کی قبر پر منت مانتے ہیں اس کی مرمت کرتے ہیں اور جب سوکھا پڑے تو اس کے واسطے سے پانی برسنے کی دعا کرتے ہیں۔ حضرت سعد بن عبادہ کی والدہ نے کوئی نذر مانی تھی جسے پورا کرنے سے پہلے ان کا انتقال ہو گیا۔ حضرت سعد کے سوال پر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اقضہ عنہا (ج ۳ ص ۶۱۵) یعنی تم ان کی طرف

سے ادا کردو۔ جب والدہ کا انتقال ہوا تو حضرت سعد موجود نہیں تھے، وہ آئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں اپنی ماں کے نام پر کچھ صدقہ وخیرات کروں تو انہیں اس کا نفع پہونچے گا؟ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ہاں" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے انہوں نے اپنی والدہ کو ایصال ثواب کے لئے سبیل لگائی تھی۔ یہ کسی مسجد میں تھی اور اس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی پانی پیتے تھے۔ (۳/۶۱۵) حضرت عمر بن عبد العزیز نے ایک لنگر خانہ بھی فقراء ومساکین کے لئے قائم کیا تھا۔ (۵/۳۷۸) خانقاہوں میں لنگر خانے کا بھی یہی مقصود ہے۔ انہوں نے موت کے وقت یہ بھی وصیت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات (موئے مبارک اور ناخن) ان کے کفن میں رکھے جائیں (۵/۴۰۶)

الواقدی ہمارے محدثین کے نزدیک معتبر راوی نہیں ہیں، مگر اس کے شاگرد ابن سعد کو محدثین نے بھی عموماً ثقہ مانا ہے، اسے کسی نے کذب سے متہم بھی نہیں کیا ہے، اس کی تصنیف الطبقات الکبریٰ سیرت، تراجم صحابہ وتابعین اور صدر اسلام کی تاریخ کے موضوع پر بیش بہا معلومات کا خزانہ ہے۔ مناسب ہوگا کہ صرف اسی ایک کتاب سے کچھ جھلکیاں عہد تابعین کی دکھادی جائیں۔

نجدی علماء نے مکہ اور مدینہ سے تاریخ اسلام کے سارے آثار مٹادیے ہیں۔ ابن سعد کہتا ہے کہ عہد جاہلیت میں قصی بن کلاب مزدلفہ میں آگ روشن کیا کرتے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ: "کانت تلک النار توقد علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان۔" (وہ آگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر، حضرت عمر، اور حضرت عثمان کے زمانے تک جلائی جاتی تھی۔
(طبقات ۱/۴۷ مطبع بیروت ۱۹۶۰ء)

آثار مٹانے کے جواز میں وہ روایت پیش کی جاتی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ درخت کٹوادیا تھا جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت الرضوان لی تھی۔ لیکن اس کا سبب یہ تھا کہ حج کے لیے آنے والوں نے اس درخت کے نیچے نفل پڑھنا معمول بنا لیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خدشہ ہوا کہ اسے کہیں ارکان حج میں شامل نہ کرلیا جائے، اور یہ بدعت ہی ہوتی۔ اس ایک مثال کے سوا جو بہت سے آثار محفوظ رکھے گئے ان کا تذکرہ نہیں کیا جاتا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والحلاق یحلقہ واطاف بہ اصحابہ مایریدون ان تقع شعرۃ الا فی ید رجل۔ (الطبقات ۲/۱۸۱) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ نائی ان کے سر کے بال مونڈ رہا تھا اور اصحاب آپ کے چاروں طرف تھے یہ کوشش کررہے تھے کہ ہر موئے مبارک کسی شخص کے ہاتھ میں گرے۔

موئے مبارک کو بطور تبرک محفوظ کرلینے کی اور بھی روایات ملتی ہیں (مثلاً ۳/۵۰۶۔ ۳/۵۳۷) حضرت سعد بن معاذ کی قبر کی مٹی لوگ بطور تبرک لے جاتے تھے (۳/۴۳۱) حضرت عبد اللہ بن مسعود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات محفوظ رکھے تھے اور سفر میں بھی وہ ان کے ساتھ ہوا کرتے تھے۔

حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے روایت ہے:

کان عبد اللہ بن مسعود صاحب سواد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی سرہ ووسادہ یعنی فراشہ وسواکہ ونعلیہ وطہورہ وہذا یکون فی السفر۔ (الطبقات ۳/۱۵۳۔ نیز بخاری (وضو) ۱۶) عبد اللہ بن مسعود کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات تھے یعنی آپ کا تکیہ اور بچھونا، مسواک، نعلین مبارک، ظرف وضو۔ اور یہ چیزیں سفر میں بھی ان کے ساتھ ہوتی تھیں۔

محمد بن سیرین نے بیان کیا:

لما حج النبی صلی اللہ علیہ وسلم تلک الحجۃ حلق فکان اول من قام اخذ شعر ابو طلحہ ثم قام الناس فاخذوا (۳/۵۰۶) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ حج (حجۃ الوداع) کیا تو حلق کرایا، اور سب سے پہلے آپ کے موئے مبارک ابو طلحہ نے لئے پھر دوسرے لوگوں نے لئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اپنے موئے مبارک اور تراشے ہوئے ناخن بطور تبرک اصحاب کو عطا فرمائے جو بعد کے زمانے تک محفوظ رہے (۳/۵۳۷)

زیارت واصلاح قبور:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ مدینہ سے مکہ واپس آتے ہوئے الابواء کے مقام پر رحلت فرماگئی تھیں وہیں مدفون ہیں۔

فلما مر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی العمرۃ الحدیبیہ بالابوا

قال: ان اللہ قد اذن لمحمد فی زیارۃ قبر امہ، فاتاہ رسول اللہ ﷺ فاصلحہ وبکی عندہ وبکی المسلمون لبکاء رسول اللہ ﷺ فقیل لہ فقال: ادرکتنی رحمتھا فبکیت۔

جب عمرہ حدیبیہ کو جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ الابواء سے گزرے تو فرمایا۔ اللہ نے محمد کو اجازت دی ہے کہ اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کریں، پھر رسول اللہ ﷺ والدہ ماجدہ کے مزار کے پاس آئے، اس کی مرمت کرائی، اس کے پاس بیٹھ کر روئے اور آپ کو روتا دیکھ کر دوسرے مسلمان رونے لگے، جب حضور سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: مجھے ماں کی شفقت محسوس ہوئی اس لئے میں رویا۔

حضرت حمزہ کے مزار پر حضرت فاطمہ جاتی تھیں اور اس کی مرمت کراتی تھیں (۱) کانت فاطمۃ تأتی قبرہ وترمہ وتصلحہ! (طبقات ۳/۳۹۷)

حضرت عثمان بن مظعون مدینہ میں وفات پانے والے پہلے صحابی تھے ان کی قبر پر رسول اللہ ﷺ نے پتھر رکھا تھا اور علامت کے لئے: وعندہ شئی مرتفع کانہ علم (اور اس کے پاس کوئی اونچی سی چیز تھی جیسے جھنڈا ہو۔ (۳/۳۹۷)

رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے سے قبل ہی البراء بن معرور انصاری کی وفات ہوگئی تھی۔ جب آپ مدینہ تشریف لائے تو سب سے پہلے اصحاب کو ساتھ لے کر ان کی قبر پر گئے، صف بنا کر بیٹھے اور فرمایا: اللھم اغفر لہ وارحمہ وارض عنہ و قد فعلت (۳/۶۲۰) مسلمان اموات کو ایصال ثواب کے لئے جمع ہونا بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔

یہ مثالیں اصحاب رسول رضی اللہ عنہم، تابع تابعین کے عہد کی ہیں جسے خیر القرون کہا جاتا ہے اگر یہ سخت گیر فتوے ہی اصل شریعت ہیں تو سابقین کا ایمان اور اعمال سب مشکوک ہوجاتے ہیں۔

قبر پر چادر چڑھانے کو بھی حرام اور ناجائز بتایا جاتا ہے۔ ابراہیم النخعی کی روایت ہے کہ:

ان النبی علیہ السلام مد علی قبر سعد ثوبا او مدو ھو شاھد۔ (طبقات ۳/۴۳۱)

رسول اللہ ﷺ نے سعد بن معاذ کی قبر پر کپڑا پھیلایا یا کسی اور نے پھیلایا آپ دیکھتے رہے۔

یہ صحیح ہے کہ چادر چڑھانا ضروریات دین میں سے نہیں ہے، مگر حرام کہنا بھی ضرورت سے زیادہ سختی ہے۔

حضرت عبادہ بن عبداللہ الزبیر کی روایت ہے:

مد علی قبر عائشۃ ثوبا و حملنا جریدا فیہ خرق و دفناھا لیلا بعد الوتر فی شھر رمضان (الطبقات ۷/۸۰) ہم نے حضرت عائشہ کی قبر پر کپڑا پھیلایا اور (کھجور کی) شاخیں اٹھائیں جن میں سوراخ تھے انہیں رات کو وتر کے بعد ماہ رمضان میں دفن کیا۔

حضرت محمد بن المنکدر کی روایت ہے کہ حضرت زینب بنت جحش کا انتقال ہوا تو گرمی کا موسم تھا، ان کی قبر تیار کی جارہی تھی۔ حضرت عمر نے وہاں شامیانہ لگوایا (۷/۱۱۲) پھر حضرت عثمان کی خلافت کے زمانے میں الحکم بن ابی العاص کا انتقال ہوا تو حضرت عثمان نے بھی شامیانہ لگوایا، اس پر لوگوں نے چہ میگوئیاں شروع کردیں، حضرت عثمان نے کہا: لوگ شر کی طرف کتنی جلدی لپکتے ہیں اور ایک دوسرے کی نقل کرنے لگتے ہیں۔ کیا تمہیں معلوم ہے عمر بن الخطاب سے زینب بنت جحش کی قبر پر شامیانہ لگوایا تھا؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں! حضرت عثمان نے کہا: کیا اس وقت کسی نے اعتراض کیا تھا؟ لوگوں نے کہا نہیں۔

یہ دونوں شامیانے اس غرض سے لگائے گئے تھے کہ قبر تیار کرنے والوں کو موسم کی شدت اور دھوپ سے بچائیں۔ اگر اسی غرض سے مزار پر فاتحہ پڑھنے والوں کے لیے کوئی سایہ کردیا جائے تو اس میں کیا قباحت ہے؟

حضرت زینب بنت جحش کی قبر پر چادر بھی چڑھائی گئی اس وقت حضرت عمر اور دوسرے کبار صحابہ قبر کے کنارے کھڑے ہوئے تھے۔ (الطبقات ۷/۱۱۳)

بعض بزرگوں کے مزار کو کبھی غسل دیا جاتا ہے اس کی قرون اولی میں بھی متعدد مثالیں ملتی ہیں:

رسول اللہ ﷺ کے فرزند حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تو:

امر رسول اللہ بحجر فوضع عند قبرہ ورش علیہ الماء (طبقات ۱/۱۴۴)

رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ان کی قبر پر پتھر رکھا جائے اور اس پر پانی بھی چھڑکا گیا۔

مکے اور مدینے کی رسم تدفین میں فرق تھا۔ اهل مكة يشقون واهل المدينة يلحدون (۲/۲۹۵) ابوطلحہ نے رسول اللہ ﷺ کے لئے لحد تیار کی، اور دفن کے بعد قبر پر اینٹیں رکھی گئیں۔ حضرت علی بن حسین سے روایت ہے: نصبت على لحد اللبن نصباً (۲/۲۹۷) ابن عباس کا قول ہے کہ قبر کے اندر ایک سرخ چادر قطیفۃ حمراء (۲/۲۹۹) بچھائی گئی جو آپ پہنا کرتے تھے۔ حضرت حسن کی روایت یہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

افرشوا لي قطيفتي في لحدي فان الارض لم تسلط على اجساد الانبياء (۲/۲۹۷) میری لحد میں چادر بچھا دینا، زمین انبیاء کے جسموں کے اوپر غالب نہیں آتی ہے۔ دفن کے بعد قبر مبارک پر پانی چھڑکا گیا (۲/۳۰۶) مدفن مبارک اور حضرت ابوبکر و عمر کی قبریں بھی زمین سے قدرے اونچی بنائی گئیں "جعل على قبره شئي مرتفع من الارض حتى يعف انه قبر (۲/۳۰۶) آج جنت المعلی (مکہ) اور جنت البقیع (مدینہ) میں بیشتر قبریں زمین کے برابر کردی گئی ہیں۔ مزار پر سرخ کنکریاں ڈالی گئیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں مرمت بھی کی گئی۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر نے ایک جبہ نکالا اور کہا: رسول اللہ ﷺ کا جبہ ہے، جسے آپ پہنا کرتے تھے، آپ کے انتقال کے بعد یہ حضرت عائشہ کے پاس رہا، حضرت عائشہ کی وفات ہوئی تو میں نے اسے اپنے قبضے میں لے لیا۔ جب کوئی مریض ہوتا تھا تو ہم اس کا دھون اسے پلاتے تھے (طبقات ۱/۴۵۴) آپ کا لباس اور حضرمی چادر بھی مدت تک محفوظ رہی جسے خلفاء عیدین کے دن پہنا کرتے تھے (۱/۴۵۸) حضرت انس نے رسول اللہ ﷺ کے نعلین مبارک محفوظ رکھے تھے (۱/۴۷۸) یہ ۱۱۰ھ یعنی تقریباً سو برس بعد بھی فاطمہ بنت عبیداللہ بن عباس کے پاس محفوظ تھے (۱/۴۷۹) رسول اللہ ﷺ کا عصا حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس تھا جسے اپنے ہاتھ میں لے کر وہ جمعہ اور عیدین کے خطبے پڑھتے تھے (۵/۳۶۱)

یہ اعتراض بہت عام اور فرسودہ ہے کہ صدر اسلام میں نہ تصوف تھا نہ صوفی تھے۔ اس کے جواب میں بہت کچھ لکھا جاچکا ہے یہاں صرف ایک حوالہ ہی کافی ہوگا۔ حضرت مالک بن انس کی روایت ہے:

" كان زياد ابن ابي زياد مولى ابن عباس رجلاً عابداً معتزلاً لايزال يكون وحده يذكر الله و كانت فيه لكنة و كان يلبس الصوف و لا يا كل اللحم " (۵/۳۰۵) زیاد بن ابی زیاد مولیٰ ابن عیاش عبادت گزار خلوت نشین اور تنہائی میں اللہ کا ذکر کرنے والے شخص تھے ان کی زبان میں لکنت تھی۔ صوف کا لباس پہنتے تھے اور گوشت نہیں کھاتے تھے۔

حاجی صاحب کے عقائد:

مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا اشرف علی تھانوی سب نے اعتراف کیا ہے کہ "کثرت معلومات کا نام علم نہیں ہے۔" مولانا نانوتوی کہتے تھے کہ لوگ دوسرے کمالات کی وجہ سے حاجی صاحب سے اعتقاد رکھتے ہیں، میں علم کی وجہ سے ان کا معتقد ہوا ہوں۔ مولانا تھانوی نے کہا کہ ہماری معلومات تو زیادہ ہیں، مگر بصیرت قلب زیادہ نہیں اور حاجی صاحب کی معلومات گو قلیل ہیں مگر بصیرت قلب بہت زیادہ ہے، اس لئے ان کے جتنے علوم ہیں سب صحیح ہیں، وہ ہر معلوم کی حقیقت تک پہونچ جاتے ہیں اور ہم حقیقت تک نہیں پہونچتے۔"

اسی فرق کو ایک بار یوں بیان فرمایا کہ "ہمارے ذہن میں تو قول مقدمات ہیں پھر ان سے نتیجہ خود نکالتے ہیں جو کبھی صحیح ہوتا ہے، اور کبھی غلط۔ اور حاجی صاحب کے قلب میں اول نتائج صحیح وارد ہوتے ہیں اور مقدمات اس کے تابع ہوتے ہیں۔"

مگر ان سب اعترافات کے باوجود یہ حضرات بعض فروعی مسائل میں بھی حاجی صاحب کے مسلک سے اتفاق نہ کرسکے یہ عجب طرح کا تضاد ہے۔

چند باتیں بطور مثال یہاں لکھتا ہوں:

پہلا:- بعض علماء جو حضرت کے خدام و مریدین میں شامل ہیں نداء لغیر اللہ (خدا کے سوا کسی کو پکارنا) کو ناجائز کہتے ہیں جیسے یاشیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ، یا غریب نواز، یابندہ نواز، یامحبوب الٰہی وغیرہ کہنا ناجائز ہے۔ حد ہے کہ انھیں "یارسول اللہ" کہنے پر بھی اعتراض ہے، مگر جس شیخ سے وہ اپنی باطنی نسبت کا رشتہ جوڑتے ہیں اس کی لکھی

ہوئی ایک منقبت کے اشعار یہ ہیں:

آسرا دنیا میں ہے از بس تمہاری ذات کا
تم سوا اوروں سے ہرگز کچھ نہیں ہے التجا
بلکہ دن محشر کے بھی، جس وقت قاضی ہو خدا
آپ کا دامن پکڑ کر یہ کہوں گا بر ملا
اے شہ نور محمد وقت ہے امداد کا

یہ منقبت کسی نے حاجی صاحب سے میاں جی نور محمد کو سنوائی تو میاں جی نے فرمایا: ''خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت و ثنا بیان کرنی چاہئے۔'' حاجی صاحب نے عرض کیا: ''میں نے غیر خدا اور سول کی مدح نہیں کی ہے۔''

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے ایک عربی قصیدے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پکارا گیا ہے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی سے کسی نے فتویٰ طلب کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دور سے یا نزدیک قبر شریف سے پکارنا جائز ہے یا نہیں؟ مولانا نے جواب دیا: جب انبیاء علیھم السلام کو علم غیب نہیں تو یا رسول اللہ کہنا بھی ناجائز ہوگا۔ اگر یہ عقیدہ کر کے کہے کہ وہ دور سے سنتے ہیں بہ سبب علم غیب کے، تو خود کفر ہے اور جو یہ عقیدہ نہیں تو کفر نہیں مگر کلمہ مشابہ بہ کفر ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ طبع دیوبند ۱۹۸۷ء ص ۶۲) مگر نافع مولیٰ عمر کی روایت ہے: کان عبداللہ بن عمر اذا قدم من سفر بدا ء بقبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر و عمر فیقول السلام علیک یارسول اللہ السلام علیک یا ابابکر السلام علیک یا ابتاء (طبقات ۱۵۶/۴) عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی سفر سے واپس آتے تھے تو پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر کی قبر پر جاتے تھے اور کہتے تھے: السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا ابابکر السلام علیک میرے ابا جان۔

مولانا گنگوہی سے ہی یہ سوال کیا گیا کہ جو شخص رسوم عرس وغیرہ کو اچھا جانے اس کے پیچھے نماز میں کچھ نقصان ہے یا نہیں؟ یا لوٹانا ضروری ہے۔؟ یا یہ کہ ان رسموں کو برا جانتا ہے مگر کرتا ہے اس کے پیچھے نماز میں کچھ نقصان ہے یا نہیں؟ مولانا نے جواب میں فرمایا: ''ان دونوں کے پیچھے نماز مکروہ ہے مگر اعادہ واجب نہیں''(فتاویٰ/۳۴۸) دوسرے سوال کے جواب میں فرمایا: بدعتی کے پیچھے نماز مکروہ تحریمہ ہے (فتاویٰ/۳۵۱) مگر قاتل نے اگر اپنے فعل سے توبہ کر لی ہے تو اس کے پیچھے نماز درست ہے۔ (فتاویٰ/۳۶۲) حضرت نافع مولیٰ عمر کی روایت یہ ہے:

قیل لابن عمر زمن ابن الزبیر والخوارج والخشبیہ: أتصلی مع ھولآء وبعضھم یقتل بعضاً قال فقال: من قال حی علی الصلوٰۃ اجبتہ۔ (الطبقات ۱۶۹/۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوارج اور خشبیہ کے زمانے میں پوچھا گیا: کیا آپ ان لوگوں کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں جب کہ ان میں سے بعض، بعض کو قتل کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جو بھی حی علی الصلوٰۃ کہتا ہے میں اس کو قبول کرتا ہوں۔

مولانا حیدر علی ٹونکی نے لکھا ہے ضیافت و مہمانی خوشی کے موقع پر درست ہے، غمی کے موقع پر اور دفن میت کے بعد حاضرین کو کھانا کھلانا رسوم و عادات جاہلیت میں سے ہے، اس تقریر کی تائید مولانا گنگوہی نے بھی کی ہے (فتاویٰ/۱۵۸) ابن سعد کہتا ہے کہ ممتاز صحابی عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرتے وقت وصیت فرمائی:

اذا انا مت فشدوا علی سیریری بعمامتی فاذا رجعتم فانحروا و اطعموا۔ (الطبقات ۲۹۱/۴) جب میں مر جاؤں اور جب (مجھے دفن کر کے) لوٹو تو قربانی کرنا اور لوگوں کو کھانا کھلانا۔

دوسرا:- بعض علماء نے اپنے مسلک میں اتنی شدت اختیار کی ہے کہ اپنے حلقۂ اثر کے لوگوں کو درگاہوں میں فاتحہ خوانی کے لئے جانے سے بھی روکتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحب جب تک ہندوستان میں رہے اکثر سفر بھی فرماتے تھے اور اس کا مقصد اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضر دینا ہوتا تھا۔ اکثر کلیر شریف میں حضرت مخدوم علی احمد صابر کلیری قدس سرہ کے آستانے پر تشریف لے جاتے تھے، یا دہلی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (ف ۱۴ ربیع الاول ۶۳۴ھ) حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء (ف ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ) خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی (ف ۱۷ رمضان ۷۵۸ھ) اور دوسرے اکابر اولیاء کے مزارات پر جا کر روحانی برکتیں حاصل کرتے تھے۔ پانی پت میں حضرت شیخ

جلال الدین کبیر الاولیاء اور ان کے مرشد حضرت شمس الدین ترک کی درگاہوں میں اکثر حاضری ہوتی تھی۔ امروہہ میں اپنے سلسلے کے مشائخ حضرت شاہ عضد الدین چشتی (ف ۲۷؍رجب ۱۱۷۲ھ؍۲۴؍اپریل ۱۷۵۹ء) حضرت خواجہ شاہ عبد الہادی چشتی (ف ۴؍رمضان ۱۱۹۰ھ؍۱۸؍اکتوبر ۱۷۷۶ء) اور حضرت خواجہ شاہ عبد الباری چشتی (ف ۱۱؍شعبان ۱۲۲۶ھ؍۳۰؍اگست ۱۸۱۱ء) کے مزارات پر کئی بار حاضر ہوئے اور حضرت شاہ عبد الباری کی خانقاہ میں قیام بھی فرمایا حاجی صاحب کے زمانے میں حضرت شاہ عبد الہادی کے تیسرے سجادہ نشین حضرت شاہ غلام مصطفی چشتی (ف ۲؍جمادی الاولیٰ ۱۳۱۳ھ؍۱۸؍نومبر ۱۸۹۵ء) خانقاہ ہادویہ میں رونق افروز تھے۔

زیارت قبور کے مسئلے میں مولانا تھانوی لکھتے ہیں "زیارت قبور اولیاء مطلقاً قبور مسلمین کی زیارت مستحب و مسنون ہے اور اولیاء اللہ کی زیارت میں اور زیادہ انوار برکات ہیں، صرف بعض لوگوں کو اس کے لئے سفر کرنے میں خلجان ہے۔۔۔۔ حدیث شد رحال مساجد کے ساتھ خاص ہے۔"

تیسرا:- حضرت حاجی صاحب نیاز اور فاتحہ کو دبھی کرتے تھے اور عرس کی بعض مجالس میں بھی شرکت فرماتے تھے مولوی قطب علی جلال آبادی کی والدہ ماجدہ کی فاتحہ میں شرکت کا ذکر امداد المشتاق میں موجود ہے۔ ایک بار آپ نے درگاہ شاہ صابر بخش دہلوی (واقع دریا گنج دہلی) کے عرس میں بھی شرکت فرمائی یہاں محفل سماع بھی ہوتی ہے۔

کسی کو مرید کرنے کے بعد، یا مثنوی شریف کا درس ختم ہونے پر آپ کھانا پکوا کر یا مٹھائی منگا کر نیاز دیتے تھے اور وہ تبرک حاضرین میں تقسیم فرماتے تھے۔ (۱)

مولانا تھانوی نے فرمایا: حضرت حاجی صاحب کے وجدان میں مردوں کو برابر ثواب پہونچتا ہے، لیکن حضرت مولانا گنگوہی کا گمان اس کے خلاف تھا" (۱)

حضرت حاجی صاحب نے ایصال ثواب کے بارے میں جس کے تقسیم وعدم تقسیم کے باب میں کوئی نص قطعی نہیں اور اسی وجہ سے اس میں اختلاف ہوا ہے، یہی فرمایا تھا کہ ہم کو اللہ تعالیٰ سے امید یہی ہے کہ جب ہم چند آدمیوں کو ایک عمل کا ثواب پہنچاتے ہیں تو سب کو برابت ہی پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ کمی تھوڑا ہی ہے۔" (۲)

چوتھا:- محفل سماع میں خود حاجی صاحب نے شرکت کی ہو یا نہ کی ہو، (۳) مگر ان کے بعض ممتاز مرید مثلاً صوفی محمد حسین الہ آبادی، مہر علی شاہ گولڑوی، مولانا عبد السمیع بیدل وغیرہ خوب سماع سنتے تھے۔ حاجی صاحب نے اپنے مرید کو سماع سننے سے روکا نہ اس فعل کی مذمت میں کچھ کہا۔

کسی شخص نے حضرت حاجی صاحب کو کچھ اشعار سنانے کی خواہش کا اظہار کیا (اشعار سننے میں تو کوئی قباحت نہ تھی غالباً وہ ساز کے ساتھ سنانا چاہتا ہوگا) حضرت نے حافظ محمد حسین الہ آبادی مرحوم کی جانب اشارہ کر کے فرمایا کہ میں تو اس فن (موسیقی) سے بالکل بیگانہ ہوں، یہ اس سے واقف ہیں اپنے ہنر کی داد تمہیں ان سے مل سکتی ہے۔

اس روایت میں بھی حضرت کا محتاط رویہ صاف جھلک رہا ہے اس نے خواہش ظاہر کی تو غنا کے حرام یا حلال ہونے کا کچھ تذکرہ نہیں کیا اور حافظ صاحب کی طرف اس کی رہنمائی کر کے دلداری کا حق بھی ادا کر دیا۔

پانچواں:- تبرکات وغیرہ کے بارے میں بھی حاجی صاحب کا عقیدہ مخالفانہ نہیں تھا۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے "حاجی صاحب کا عقیدہ تھا کہ "جائے بزرگاں بہ جائے بزرگاں" اس سے ظاہر ہے کہ بزرگوں کی خانقاہ، ان کی مسند، جائے عبادت یا چلہ خانہ وغیرہ میں بھی انوار و برکات ہوتے ہیں، اسی طرح تبرکات مثلاً تسبیح، عصا، خرقہ، پیراہن، سجادہ وغیرہ میں وہ انوار سرایت کر جاتے ہیں اور اہل نسبت کو ان سے نفع ہوتا ہے۔" مگر مولانا تھانوی نے کہا کہ "بزرگوں کے تبرکات کے ساتھ محب کو شغف نہیں مثلاً کرتہ وغیرہ۔ یہ خیال ہوتا ہے کہ اس میں کیا رکھا ہے، اصلی چیز تو بزرگوں کا اتباع ہے، گو برکت کا میں نے خود مشاہدہ کیا ہے، لیکن اہتمام جس کو کہتے ہیں وہ قلب میں نہیں۔" (۴)

☆☆☆

تنقید و احتساب

عیدین کی دو جماعت کا نزاعی مسئلہ

مفتی ذوالفقار خان قادری نکرالوی

ایک ہی مسجد میں نماز عید کی دو جماعتوں کا شرعی حکم:

نماز عید اور جمعہ کے سلسلے میں عموماً دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ ان دونوں نمازوں کو نماز پنجگانہ کی طرح سمجھتے ہیں۔ اور نماز عید و جمعہ اور نماز پنجگانہ کے مابین امتیاز و فرق نہیں کر پاتے۔ حالانکہ نماز عید اور جمعہ کے احکام خاص کر امامت کے معاملہ میں نماز پنجگانہ سے جداگانہ ہیں۔ نماز پنجگانہ میں سے اگر کسی نماز کی جماعت نکل جائے تو اسی مسجد میں جماعت ثانیہ کی اجازت ہوتی ہے البتہ نماز عید و جمعہ میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔

نماز پنجگانہ میں جماعت ثانیہ کے لئے بس صالح امامت شخص کو امامت کے لئے آگے بڑھا دینا ہی کافی ہوتا ہے البتہ نماز عید و جمعہ میں ایسا نہیں ہے۔ اس کا حکم مختلف ہے۔ اس میں جماعت ثانیہ کا حکم مشروط ہے۔

اس مسئلہ میں درج ذیل باتیں خاص طور پر قابل غور ہیں۔ جن پر آگے تفصیلی بحث کی جائے گی۔

(۱) عید کی نماز اگر امام معین نے پڑھادی ہے اور کچھ لوگ تاخیر کے سبب رہ گئے یا وہ نماز میں تھے مگر ان کی نماز کسی سبب فاسد ہوگئی تو وہ کیا کریں؟

(۲) وقت باقی ہے تو کیا باقی ماندہ حضرات امام معین کے نماز پڑھانے کے بعد اسی مسجد میں دوسری جماعت کر سکتے ہیں؟

(۳) نماز پنجگانہ کی طرح کیا عید کی بھی جماعت ثانیہ کی اجازت ہے۔

(۴) اگر دوسری جماعت کی جائے تو امام کسے بنایا جائے۔

(۵) اگر اپنی مرضی سے کسی کو امام بنا کر کے نماز ادا کریں تو کیا شرعاً ایسا کرنے کی اجازت ہے؟

مذکورہ بالا مسائل کی بالترتیب تفصیل ملاحظ کریں۔

پہلی صورت میں حکم شرع یہ ہے کہ اگر مقررہ امام نے از روئے شرع نماز درست پڑھادی ہو اور ایک شخص یا کچھ لوگ نماز سے رہ گئے ہوں تو وہ عیدگاہ وغیرہ دوسری جگہ نماز ادا کرنے کی کوشش کریں۔ اگر وہاں بھی نماز نہ پڑھ پائیں خواہ کسی سبب سے ہو تو پھر انہیں نماز عید پڑھنے کا حکم نہیں ہے بلکہ فقہاے کرام نے انہیں چاشت کی چار رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

تبیین الحقائق میں ہے:

"أن الإمام لو صلاها مع جماعة و فاتت بعض الناس لا يقضيها من فاتته إذا خرج الوقت، و كذلك في الوقت"

امام نے نماز پڑھادی جماعت کے ساتھ اور کچھ لوگوں کی نماز چھوٹ گئی تو وہ وقت میں یا اس کے بعد اس کی قضا نہیں کریں گے۔"

[تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، ۱/ ۲۲۶، باب صلاۃ العید]

درر الحکام شرح غرر الاحکام میں ہے۔

"أن الإمام صلاها مع جماعة و فاتت بعض الناس لا يقضيها في الوقت و بعده"

امام نے نماز پڑھادی جماعت کے ساتھ اور کچھ لوگوں کی نماز چھوٹ گئی تو وہ وقت میں یا اس کے بعد اس کی قضا نہیں کریں گے۔"

[درر الحکام شرح غرر الاحکام، ۱/ ۱۴۴]

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"لو صلاها مع الجماعة وفاتت بعض الناس لا يقضيها من فاتته خرج الوقت أو لم يخرج"

اگر امام نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھادی اور بعض لوگوں کی نماز چھوٹ گئی تو جن کی نماز چھوٹی ہے وہ قضا نہیں کریں

گے وقت نکل گیا ہو یا نہ نکلا ہو۔"

[فتاوی عالمگیری، ۱/ ۱۵۲، ۱۵۳، باب صلاۃ العیدین]

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، درر الحکام شرح غرر الاحکام اور فتاوی عالمگیری کی عبارت سے صراحۃً یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر ایک شخص یا ایک سے زیادہ لوگوں کی نماز عید کی جماعت چھوٹ گئی ہو تو وقت باقی ہو یا نہ ہو وہ اب قضا نہیں کریں گے۔ لیکن فقہ کی دوسری کتابوں میں دوسرے مقام پر امام مقرر و معین کے پیچھے اگر نماز مل سکتی ہو تو وہاں ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے بصورت دیگر نماز چاشت ادا کرنے کا۔ ملاحظہ کریں:

بحر الرائق میں ہے:

"(قوله: ولم تقض إن فاتت مع الإمام) فمراده نفى صلاتها وحده وإلا فإذا فاتت مع إمام وأمكنه أن يذهب إلى إمام آخر فإنه يذهب إليه، لأنه يجوز تعدادها في مصر واحد في موضعين وأكثر اتفاقا إنما الخلاف في الجمعة وأطلقه فشمل ما إذا كان في الوقت أو خرج الوقت، وما إذا لم يدخل مع الإمام أصلا أو دخل معه وأفسدها فلا قضاء عليه أصلا۔

ان کا قول کہ قضا نہیں کرے گا اگر امام کے ساتھ فوت ہو گئی۔ تو اس سے مراد تنہا اس کی نماز کا چھوٹ جانا ہے اگر امام کے ساتھ چھوٹ گئی (مطلب نماز ادا کر چکا ہے اس نے نہیں ادا کی) اور اگر دوسرے امام کی طرف جانا ممکن ہو تو وہاں جائے کیوں کہ نماز عید کا ایک ہی شہر میں دو اور اس سے زیادہ مقامات پر ہونا جائز ہے بالاتفاق۔ البتہ جمعہ میں اختلاف ہے۔ اور ان کا اسے مطلق رکھنا اس لئے کہ وہ اس حکم کو شامل ہے کہ کام وقت میں ہو یا وقت نکل گیا ہو۔ اور جب امام کے ساتھ بالکل شامل نہیں ہوا یا شامل ہوا ہو لیکن نماز فاسد کر دی ہو تو اس پر بالکل قضا نہیں ہے۔"

[بحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۲/ ۲۸۳، ۲۸۴ صلاۃ العیدین]

مراقی الفلاح میں ہے: "فإن شاء انصرف وإن شاء صلى نفلا والأفضل أربع فيكون له صلاة الضحى"

تو اگر چاہے (دوسری جگہ) پڑھ لے اور اگر چاہے تو نفل نماز ادا کر لے اور افضل یہ ہے کہ چار رکعت نماز پڑھ لے تا کہ نماز چاشت ہو جائے۔"

[مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، باب صلاۃ العیدین، ۱/ ۲۰۳]

حاشیہ طحطاوی میں ہے:

ولو قدر بعد الفوات مع الإمام على إدراكها مع غيره فعل للاتفاق على جواز تعددها"

اگر ایک امام کے ساتھ فوت ہونے کے بعد دوسرے امام کے ساتھ نماز ادا کر سکتا ہو تو نمازی وہاں چلا جائے کیونکہ متعدد مقامات پر عید کے جواز پر اتفاق ہے۔"

[حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص ۵۳۵]

درمختار میں ہے:

'لو امكنه الذهاب الى امام آخر فعل لانها تؤدى بمصر واحد بمواضع كثيرة"

اگر دوسرے امام کی طرف جانا ممکن ہو تو جائے کیوں کہ ایک شہر میں کئی جگہ نماز عید ادا کی جا سکتی ہے۔"

[الدر المختار، ۳/ ۵۹، باب العیدین]

شدید بارش کے سبب بعض اہل شہر کی نماز عید چھوٹ جانے پر جماعت ثانیہ سے متعلق ایک سوال کا تفصیلی جواب دیتے ہوئے حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"اگر مقرر کردہ امام سب پڑھ چکے اور بعض لوگ رہ گئے تو یہ بیشک نہیں پڑھ سکتے نہ آج نہ کل" [فتاوی رضویہ قدیم، ۳/ ۸۰۵]

حضور اعلیٰ حضرت کی اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے مفتی عبد الحق صاحب رضوی مفتی اشرفیہ مبارکپور، لکھتے ہیں:

اللہ عزوجل سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کو اسلام اور مسلمین کی طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے کہ میں اپنی اس تحریر میں جو کچھ کہنا چاہتا تھا، آقائے نعمت سیدی اعلیٰ حضرت نے اپنے فتوی مبارکہ کے اخیر کی چند سطروں میں وہ سب کچھ کہہ دیا یعنی وہ مسلمان جو جمعہ وعیدین کی پہلی جماعت میں شریک نہیں ہو سکے ہیں اور ان باقی ماندہ لوگوں میں کوئی مقرر کردہ امام جمعہ وعیدین بھی ہے تو دوسری جماعت کی امامت وہی مقرر کردہ امام جمعہ وعیدین کرے گا اور اگر مقرر کردہ سارے امام پڑھ چکے ہیں تو ایسی صورت میں باقی ماندہ لوگ اگر جمعہ ہے تو تنہا تنہا اپنی ظہر پڑھیں گے اور اگر عیدین ہے اس کی قضا نہیں۔ لہٰذا ترک واجب کی وجہ سے بارگاہ الٰہی میں توبہ واستغفار کریں گے۔ بہتر یہ ہے کہ یہ لوگ چار رکعت چاشت کی نماز پڑھیں"

[ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اکتوبر ۲۰۱۶ء ص ۱۱]

صدر الشریعہ فرماتے ہیں۔

"امام نے نماز پڑھ لی اور کوئی شخص باقی رہ گیا خواہ وہ شامل ہی نہ ہوا تھا یا شامل تو ہوا مگر اس کی نماز فاسد ہوگئی تو اگر دوسری جگہ مل جائے پڑھ لے ورنہ نہیں پڑھ سکتا، ہاں بہتر یہ ہے کہ یہ شخص چار رکعت چاشت کی نماز پڑھے"

[بہار شریعت، حصہ چہارم، ص ۷۸۳]

بحر الرائق، مراقی الفلاح، حاشیہ طحطاوی، اور بہار شریعت کی مندرجہ بالا عبارات سے ثابت ہوا کہ اگر امام معین کے ساتھ نماز عید نہ ادا کر سکا تو دوسرے کسی امام کے پیچھے نماز ادا کرے۔ نیز بحر الرائق اور در مختار سے یہ بھی پتہ چلا کہ نماز عید شہر میں کئی مقامات پر ہو سکتی ہے۔ اور فتاوی رضویہ سے یہ مسئلہ بھی واضح ہو گیا کہ اگر شہر کے سبھی مقرر کردہ امام نماز سے فارغ ہو گئے ہوں تو پھر نماز عید ادا کرنے کا حکم نہیں ہے۔ البتہ ایک ہی مقام پر نماز عید کی امام معین اور امام غیر معین کے ساتھ دو جماعتوں کی اجازت کتب فقہ میں صراحۃً کہیں نظر سے نہیں گزری۔ بعض کتب میں اجمالی طور پر دو جماعت کا ذکر ہے مگر مشروط ہے۔ جس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آپ ملاحظہ کریں گے۔

یہاں تک یہ ثابت ہوا کہ اگر ایک یا ایک سے زیادہ لوگوں کی نماز عید چھوٹ جائے تو وہ کوشش کریں کہ کسی اور مسجد میں امام معین کے پیچھے ادا کر لیں۔ ورنہ نماز نفل چار رکعت بشکل چاشت ادا کر لیں۔ اب رہا معاملہ یہ کہ جس طرح نماز پنجگانہ میں جماعت کے بعد دوسری جماعت کی اجازت ہے تو کیا وہ اجازت نماز عید کے لئے بھی ہوگی۔ اور جس طرح کسی بھی نیک لائق امامت شخص کو نماز پنجگانہ میں نماز کے لئے کھڑا کر دیتے ہیں کیا نماز عید میں بھی کر سکتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے، کہ امام معین کے نماز عید پڑھا لینے کے بعد جماعت ثانیہ اسی مسجد میں جائز نہیں ہے۔ البتہ امام معین کے نماز پڑھا لینے کے بعد نماز پنجگانہ کی جماعت ثانیہ چند قیود کے ساتھ بلا کراہت جائز ہے۔ اور کم پڑھے لکھے لوگوں کو یہیں مغالطہ ہوتا ہے۔ وہ نماز پنجگانہ کے حکم کو نماز عید و جمعہ پر بھی منطبق کر دیتے ہیں۔ حالانکہ نماز عید اور نماز جمعہ کا حکم نماز پنجگانہ سے بہت جداگانہ ہے۔ نماز پنجگانہ میں کسی بھی شخص کو امام بنا کر جماعت ادا کر سکتے ہیں۔ مگر عید اور جمعہ کی نماز میں ایسا نہیں ہے۔ وہاں تو جماعت کے لئے امام، بادشاہ اسلام ہو، یا اس کا نائب و ماذون ہو یا یا قاضی شرع ہو جسے علماء نے قاضی مانا ہو یہاں قاضی سے عوام کا منتخب قاضی مراد نہیں ہے۔ یا اعلم علمائے بلد یعنی شہر کے سبھی عالموں میں سب سے زیادہ علم والا عالم ہو، اگر یہ سب نہ ہو تو وہ بجبوری عامہ مسلمین نے جسے متفقہ امام مقرر کیا ہوا، بس اسی کو عید اور جمعہ پڑھانے کی اجازت ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے یا اس کے نماز پڑھا لینے کے بعد وقتی طور پر کسی کو امام منتخب کر لینا اور اس کے پیچھے نماز عید و جمعہ ادا کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے۔ یہ سب بخوبی جانتے ہیں کہ ایک عیدگاہ میں یا ایک مسجد میں بس ایک ہی امام معین و مقرر کیا جاتا ہے جسے سب جانتے ہیں کہ اس مسجد کا امام فلاں شخص ہے۔ کیوں کہ اس کا تقرر ہو چکا ہوتا ہے۔ تو شرعی ضابطہ یہی ہے کہ بس نماز عید و جمعہ پڑھانے کا حق اسی کو حاصل ہے۔ اگر وہ پڑھا دے تو پھر کسی کو اجازت نہیں ہے۔ ہاں البتہ سلطان اسلام وغیرہ جن کا ذکر اوپر ہوا وہ اس وقت کسی کو امام مقرر کریں تو اجازت ہوگی۔ لیکن سو پچاس لوگ وقتی طور پر یوں ہی کسی کو جماعت ثانیہ کے لئے کھڑا کر دیں اور اسے امام بنا لیں شرعاً اس کی اجازت نہیں ہوگی۔

یہاں یہ بھی باور کرا دیں کہ نماز عید و جمعہ دونوں کا حکم ایک ہے نماز عید کی سوائے خطبہ کے وہی شرائط ہیں جو نماز جمعہ کی ہیں۔

جیسا کہ فتاوی عالمگیری میں ہے: "ویشترط للعید ما یشترط للجمعة إلا الخطبة"

نماز عید کے لئے وہی شرائط ہیں جو نماز جمعہ کے لئے ہیں سوائے خطبہ کے۔"

[فتاوی عالمگیری، ۱/۱۵۰، باب صلاۃ العیدین]

لہٰذا نماز عید اور جمعہ کی پہلی جماعت ہو یا دوسری جماعت، اس کے لئے مشروط امام ہی ضروری ہے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو نہ پہلی جماعت ہوگی اور نہ دوسری۔

علاوہ ازیں ایک جماعت امام معین پڑھا لے تو دوسرا امام عموماً مساجد میں معین نہیں ہوتا تو اس کو نماز عید و جمعہ کا حق امامت حاصل نہیں ہوگا۔ اور جب حق حاصل نہیں ہوگا تو وہ پڑھا نہیں سکتا

اور جب وہ پڑھانے کا اہل ہی نہیں تو اس کے پیچھے نماز کیوں کر ہو سکتی ہے اور جب نماز نہیں ہو سکتی تو جماعت کی اجازت کیسے مل جائے گی۔

نماز عید اور جمعہ کے لئے امام کی کیا شرائط ہیں اور امام معین کے نماز پڑھانے کے بعد نماز عید کی جماعت کے لئے کون سا امام نماز پڑھا سکتا ہے

اور کب نماز ثانی پڑھی جا سکتی ہے اور کب نہیں۔ کتب فقہ کی درج ذیل عبارات میں تفصیل ملاحظہ کریں:

حاشیہ طحطاوی میں ہے:

قولہ "لا تتم بدون الإمام أى السلطان أو مأمورأى وقد صلاها الإمام أو مأموره فإن كان مأمورا بإقامتها له أن يقيمها"

اور ان کا قول کہ امام یعنی سلطان اسلام یا اس کے مامور کے بغیر نماز پوری نہیں ہو سکتی۔ یعنی امام یا اس کے نائب نے نماز پڑھا دی پس اگر وہ امامت عید کے لئے مامور تھا تو وہ اسے پڑھا سکتا ہے۔"

[حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص ۵۳۵]

بدائع الصنائع میں ہے:

"فلا يجوز أداؤها إلا بتلك الصفة، ولأنها مختصة بشرائط يتعذر تحصيلها فى القضاء، فلا تقضى كالجمعة ولكنه يصلى أربعا مثل صلاة الضحى إن شاء؛ لأنها إذا فاتت لا يمكن تداركها بالقضاء لفقد الشرائط"

نماز عید کا ادا کرنا جائز نہیں ہے مگر اسی طرح سے (جس طرح مشروع ہے، کہ جماعت ہو، سلطان اسلام، ماذون یا امام معین ہو) کیوں کہ نماز عید چند شرائط کے ساتھ مختص ہے جن کا حصول قضا میں دشوار ہے۔"

[بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ۱/ ۲۷۴، باب صلاۃ العیدین]

محیط برہانی میں ہے:

"علماؤنا رحمهم الله قالوا: لا يجوز إقامتها إلا بشرائط مخصوصة منها الإمام، فإذا فاتت مع الإمام فقد عجز عن قضائها، فلا يلزمه القضاء"

ہمارے علماء نے، اللہ ان پر رحمت نازل فرمائے، فرمایا نماز عید کا قائم کرنا جائز نہیں ہے مگر مخصوص شرائط کے ساتھ ان میں سے ایک امام کا ہونا بھی ہے۔ تو جب امام کی نماز کے ساتھ اس کی نماز چھوٹ گئی تو وہ قضا سے عاجز ہو گیا تو اس پر قضا لازم نہیں ہے۔" [محیط برہانی، ۲/ ۱۱۲]

مراقی الفلاح میں ہے:

"ومن فاتته الصلاة" فلم يدركها "مع الإمام لا يقضيها" لأنها لم تعرف قربة إلا بشرائط لا تتم بدون الإمام أى السلطان أو مأموره"

جس نے یہ نماز امام کے ساتھ نہیں پائی تو وہ قضا نہیں کرے گا کیوں کہ وہ مشروع نہیں ہے مگر شرائط کے ساتھ جو نہیں پوری ہوں گی بغیر امام کے یعنی سلطان یا اس کے مامور کے بغیر"

[مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، باب صلاۃ العیدین، ۱/ ۲۰۳]

حضور اعلیٰ حضرت نماز عید و جمعہ میں امام سے متعلق شرائط بیان کرتے رقم طراز ہیں:

"جمعہ و عیدین کی امامت مثل نماز پنجگانہ نہیں کہ جسے چاہئے امام کر دیجئے بلکہ اُس کے لئے شرط لازم ہے کہ امام ماذون من جہۃ سلطان الاسلام ہو بلاواسطہ یا بالواسطہ کہ ماذون کا ماذون ہو یا ماذون الماذون کا ماذون ہو۔"

[فتاویٰ رضویہ قدیم، ۳/ ۷۰۸]

مزید فرماتے ہیں:

"نماز عید مثل نماز جمعہ ہے نماز پنجگانہ کی طرح نہیں جن میں ہر شخص صالح امامت کر سکتا ہے، عیدین اور جمعہ کے لئے شرط ہے کہ امام خود سلطان اسلام ہو یا اُس کا نائب یا اس کا ماذون، اور نہ ہو تو بضرورت جسے عام مسلمانوں نے امامت جمعہ و عیدین کے لئے مقرر کیا ہو" [فتاویٰ رضویہ قدیم، ۳/ ۸۰۶] اور لکھتے ہیں:

"جمعہ و عیدین کی امامت پنجگانہ کی امامت سے بہت خاص ہے، امامت پنجگانہ میں صرف اتنا ضرور ہے کہ امام کی طہارت و نماز صحیح ہو، قرآن عظیم صحیح پڑھتا ہو،

بد مذہب نہ ہو، فاسق معلن نہ ہو، پھر جو کوئی پڑھائے گا نماز بلا خلل ہو جائے گی بخلاف نماز جمعہ و عیدین کہ ان کے لئے شرط ہے کہ امام خود سلطان اسلام ہو یا اس کا ماذون، اور جہاں یہ نہ ہوں تو بضرورت جسے عام مسلمانوں نے جمعہ و عیدین کا امام مقرر کیا ہو کما فی الدر المختار وغیرہ، دوسرا شخص اگر ایسا ہی عالم و صالح ہو ان نمازوں کی امامت نہیں کر سکتا اگر کرے گا نماز نہ ہوگی" [فتاویٰ رضویہ قدیم، ۳/ ۸۰۱] ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

''نماز جمعہ وعیدین مثل عام نمازوں کے نہیں کہ جسے امام کر دیا نماز ہوگئی ان کے لئے ضرور ہے کہ امام خود سلطان اسلام ہو یا اس کا مقرر کردہ، اور یہ نہ ہوں تو بضرورت وہاں کے عام مسلمانوں نے جسے امامت جمعہ کے لئے معین ومقرر کیا ہو، تو ان تینوں جماعتوں میں جس کا امام امام معین ومقرر کردہ جمعہ تھا اس کی اور اس کے مقتدیوں کی نماز ہوگئی باقیوں کی نہیں، اور اگر کسی کا امام ایسا نہ تھا تو کسی کی نہ ہوئی''
[فتاوی رضویہ قدیم، ۳/ ۷۲۳]

اور لکھتے ہیں:
''جمعہ وعیدین وکسوف میں ہر شخص امامت نہیں کر سکتا بلکہ لازم ہے کہ سلطان اسلام کا مقرر کردہ یا اُس کا ماذون ہو، ہاں جہاں یہ نہ مل سکیں تو بضرورت عام اہل اسلام کسی کو امام مقرر کر لیں، صورت سوال میں جبکہ سلطنتِ اسلام سقی اللّٰہ تعالٰی عھدھا سے بحکم حاکم شرع وہاں جمعہ قائم اور امامت خاندان ایام قدیم میں مستمر ودائم ہے تو امام خود ماذون من جانب السلطان ہے، اس کے ہوتے بلا مجبوری شرعی عام مسلمانوں کو بھی امام جدید قائم کرنے کا اختیار نہیں۔

لان الخیرة لهم انما یکون عند الضرورة لفقد الماذون فاذا وجد فلا ضرورة فلا خیرة۔

(انھیں اختیار ضرورت کے وقت ہے جب مامور نہ ہو اور جب مامور ہے تو اب ضرورت نہیں لہٰذا اختیار بھی نہ ہوگا۔)''
[فتاوی رضویہ قدیم، ۳/ ۷۰۷]

اگر عید کی نماز ایک عیدگاہ میں دو الگ الگ امام پڑھائیں یعنی ایک عیدگاہ میں عید کی دو جماعتیں ہوں یا مسجد میں دو امام دو جمعہ پڑھائیں تو کیا اس کی اجازت ہوگی اس تعلق سے حضور اعلیٰ حضرت رقم طراز ہیں:

''ظاہر ہے کہ ایک مسجد میں ایک نماز کے لئے دو (۲) شخص امام مقرر نہیں ہوتے تو جوان میں مقرر نہیں ہے اسکی اور اس کے پیچھے والوں کی نماز نہ ہوگی''
[فتاوی رضویہ قدیم، ۳/ ۸۰۶]

مزید فرماتے ہیں:
''اور مسجد واحد کے لئے وقتِ واحد میں دو امام کی ہرگز ضرورت نہیں، تو جب پہلا امام معیّن جمعہ ہے دوسرا ضرور اُس کی لیاقت سے دور ومہجور تو اُس کے پیچھے نماز جمعہ باطل ومحذور''
[فتاوی رضویہ قدیم، ۳/ ۸۰۷]

عبارات مذکورہ سے صاف حکم معلوم ہوا کہ ایک عیدگاہ میں یا ایک مسجد میں دو امام مقرر نہیں ہوتے تو جو مقرر و معین ہوگا اس کی نماز ہو جائے گی اور جو مقرر و معین نہ ہو تو اس کی اور اس کے پیچھے پڑھنے والوں کی نماز نہیں ہوگی۔ ایک عیدگاہ میں دو اماموں کی جماعت کے جواز کا حکم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اگر دونوں امام ماذون باقامت نماز عید تھے تو دونوں نمازیں جائز ہوگئیں''
[فتاوی رضویہ قدیم، ۳/ ۸۰۳]

اور جب دونوں امام شرعاً ماذون ہوں تو ان کی پڑھائی ہوئی نماز ہو جائے گی۔ لوگوں کو اس سے بھی مغالطہ ہو جاتا ہے کہ فتاوی فیض الرسول وغیرہ فتاوی میں نماز جمعہ وعید کے بارے میں سوال کے جواب میں اجمالی حکم بیان کرتے ہوئے کہیں کہیں بس اتنا ہی لکھا گیا ہے۔ اور اس کو سمجھے بغیر لوگوں سے کہہ دیا جاتا ہے کہ فیض الرسول میں لکھا ہوا ہے کہ نماز ہو جائے گی ''ماذون باقامت'' کو بالکل حذف کر جاتے ہیں، حالاکہ یہ ہر صاحب علم جانتا ہے کہ جہاں صرف ماذون باقامت لکھا ہوا ہے وہاں ماذون سے نماز جمعہ وعید قائم کرنے کا شرعی جواز رکھنے والا مراد ہے۔ جس کی تفصیل گزر چکی۔

علاوہ ازاں عید و جمعہ چوں کہ شرائط کے اعتبار سے یکساں ہیں سوائے ایک شرط خطبہ کے، اس لئے ہم کچھ مسائل جماعت جمعہ کے ایک ہی مسجد میں دوبار ہونے کے جواز وعدم جواز سے متعلق نقل کرتے ہیں۔ تاکہ جمعہ کے ضمن میں مقام واحد میں متعدد نماز عید ہونے کا بھی حکم واضح ہو جائے۔

حضور اعلیٰ حضرت جمعہ وعیدین میں امام کے تقرر کی شرائط اور ایک مسجد میں ایک ہی نماز جمعہ کے لئے دو امام ہونے اور ایک مسجد میں دوبار جمعہ ہونے کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''امامت جمعہ وعیدین ہر کس نتواں کرد بلکہ واجب ست کہ سلطانِ اسلام یا ماذون او باشد و بضرورت آنکہ مسلمان او را امام جمعہ مقرر کردہ باشند وشک نیست کہ یک مسجد را دو امام جمعہ کہ اقامت جمعہ واحدہ کنند نباشند پس در مسجد واحد دوبار جمعہ نتواں شد چوں بعض مردماں ایں جا جمعہ نیابند بمسجدے دیگر اگر یابند روند کہ تعدد جمعہ در شہر مذہب مفتی بہ روا ست ہمچناں اگر امامے معین برائے

امامتِ جمعہ یابند و در غیر مسجد در شہر یا فنائے شہر ادا کنند نیز روا باشد زیرا کہ مسجد شرط جمعہ نیست''

جمعہ وعیدین کی امامت ہر کوئی نہیں کرواسکتا بلکہ واجب ہے کہ وہ سلطانِ اسلام یا اس کی طرف سے مامور ہو، البتہ ضرورت کے پیش نظر مسلمان امام جمعہ مقرر کرسکتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک مسجد میں ایک جمعہ کی اقامت کے لئے دو امام نہیں ہوسکتے لہٰذا ایک مسجد میں دوبار جمعہ نہیں ہوسکتا جب کچھ لوگ اس مسجد میں جمعہ نہ پاسکتے تو وہ دوسری مسجد میں چلے جائیں کیونکہ مفتی بہ مذہب کے مطابق شہر میں متعدد جگہ جمعہ ہوسکتا ہے، اسی طرح اگر مقرر امامِ جمعہ کو شہر یا فنائے شہر میں مسجد کے علاوہ پالیتے ہیں تو وہاں بھی جمعہ جائز ہوگا کیونکہ جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں''

[فتاوی رضویہ قدیم، ۳/۷۰۵]

مزید فرماتے ہیں:

''اور پر ظاہر کہ کلام اُسی صورت میں ہے جبکہ پہلا جمعہ صحیح ادا ہولیا ورنہ مسجد واحد میں تعددِ جمعہ کہاں اور دُوسری مسجد میں اولویت کا کیا منشاء، تو ضرور ہے کہ پہلی نماز اسی نے پڑھائی جو اس مسجد میں اقامتِ جمعہ کا مالک تھا اب یہ دوبارہ وہیں جمعہ پڑھانے والا دو حال سے خالی نہیں یا اس مالکِ اقامت کے اذن سے پڑھائے گا یا بے اذن اول کی طرف راہ ممنوع کہ یہاں اذن مالک نہیں، مگر انابت اور بعد اس کے کہ آج کا جمعہ خود اصل پڑھا چکا اقامت شعار ہوچکی، جمعہ امروز میں انابت کے کوئی معنی نہیں کہ انابت تحصیل ناحاصل کے لئے ہوتی ہے نہ تحصیل حاصل کے واسطے نہ نائب ومنیب ایک امر میں جمع ہوسکیں اور آئندہ جمعہ کے لئے اذن جمعہ امروز کا اذن نہیں تو شق ثانی ہی متعین ہوئی اور جمعہ میں غیر امامِ جمعہ کی امامت بے اذن امامِ جمعہ باطل ہے''

[فتاوی رضویہ قدیم، ۳/۶۹۰]

لوگ کبھی کبھی کسی معمولی سی وجہ کو شرعی مجبوری کا نام دے کر ایک امام کے ہوتے ہوئے ایک اور نیا امام مقرر کرلیتے ہیں۔

امام جدید قائم کرنے کے سلسلے میں شرعی مجبوری کیا ہوتی ہے اس کو بیان کرتے ہوئے حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''یہاں مجبوری شرعی یہ کہ امام ماذون خود نہ رہے یا اُس میں مذہب وغیرہ کے فساد پیدا ہونے سے قابلیت امامت معدوم ہوجائے اور اس خاندانِ ماذون میں کوئی اور بھی صالح امامت نہ ہو، جب ان صورتوں میں سے کچھ نہ تھا اس دوسرے شخص کی امامت نہ ہوئی اُس کے پیچھے نماز عید وجمعہ محض باطل ہوں گی وہ سخت گناہوں کا خود بھی مرتکب ہوگا اور اُتنے مسلمانوں کو بھی شدید معصیتوں میں مبتلا کردے گا وہ دوسری مسجد کا جمعہ حرام ہوگا اور ظہر کا فرض سر پر رہے گا۔ اور عیدین میں نماز عید باطل ہوگی اُس کا پڑھنا گناہ ہوگا۔ واجبِ عید سر پر رہ جائے گا تفریق جماعت تو وہاں کہی جائے کہ نماز جمعہ یا عیدین اس کے پیچھے بھی صحیح ہوجائیں، جب یہاں سرے سے ہوئی ہی نہیں تو تفریق کیسی، بلکہ ابطال نماز ہے کہ سب سے سخت تر ہے''

[فتاوی رضویہ قدیم، ۳/۷۰۷]

عبارت مذکورہ میں حضور اعلیٰ حضرت نے صاف فرمادیا کہ بلا وجہ شرعی عام لوگوں کو بھی امام جدید منتخب کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور شرعی مجبوری کی بھی کیسی صراحت فرمائی ''یہاں مجبوری شرعی یہ کہ امام ماذون خود نہ رہے یا اُس میں مذہب وغیرہ کے فساد پیدا ہونے سے قابلیت امامت معدوم ہوجائے اور اس خاندانِ ماذون میں کوئی اور بھی صالح امامت نہ ہو'' بہت سے مقامات پر لوگوں نے جمعہ اور عید کے مسئلہ امامت کو خانگی معاملہ سمجھ لیا ہے جب چاہا، جیسا چاہا، کرلیا دس بیس سو پچاس لوگ اکھٹا ہوئے اور جماعت کرالی۔ حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''مسلمانو! نماز حکم شرعی ہے احکامِ شرع کے مطابق ہی ہوسکتی ہے کوئی خانگی معاملہ نہیں کہ جس نے جب چاہا کرلیا، حکمِ شرعی یہ ہے کہ اقامتِ جمعہ کے لئے سلطانِ اسلام یا اُس کا نائب یا اُس کا ماذون شرط ہے اور جہاں سلطانِ اسلام نہ ہو عالم دین فقیہ معتمد اعلم اہل بلد کے اذن سے امام جمعہ وعیدین مقرر ہوسکتا ہے اور جہاں یہ بھی نہ ہو تو مجبوری جسے وہاں کے عامہ مسلمین انتخاب کرلیں وُہ امامت جمعہ یا عیدین کرسکتا ہے ہر شخص کو اختیار نہیں کہ بطورِ خود یا ایک دو یا دس بیس یا سو پچاس کے کہے سے

امامِ جمعہ یا عیدین بن جائے ایسا شخص اگر چہ اس کا عقیدہ بھی صحیح ہو اور عمل میں بھی فسق وفجور نہ ہو جب بھی امامتِ جمعہ وعیدین نہیں کرسکتا اگر کرے گا نماز اُس کے پیچھے باطل محض ہوگی کہ اُن تین طریقوں میں سے ایک وجہ کا امام یہاں شرطِ صحت نماز

تھا جب شرط مفقود مشروط مفقود ولہذا صورتِ مسئولہ میں پہلے لوگوں کا جمعہ باطل محض ہوا اور دوسرے لوگوں کا صحیح''[فتاوی رضویہ قدیم، ۳/ ۲۷۵]

اور فرماتے ہیں:

''یہ مسئلہ نہایت واجب الحفظ ہے، آج کل جُہال میں یہ بلا بہت پھیلی ہوئی ہے کہ جمعہ یا نماز عیدنہ ملی کسی مسجد میں ڈھائی آدمی جمع ہوئے۔ اور ایک شخص کو امام ٹھہرا کر نماز پڑھ لی وہ نماز نہیں ہوتی۔ اور اُس کے پڑھنے کا گناہ الگ ہوتا ہے۔ عوام کے خیال میں یہ نمازیں بھی پنجگانہ کی طرح ہیں کہ جس نے چاہا امامت کر لی ،حالانکہ شرعاً یہاں امام خاص اس طریق معیّن کا درکار ہے اُس کے بغیر یہ نمازیں ہو نہیں سکتیں''

[فتاوی رضویہ قدیم، ۳/ ۷۰۷]

کتب فقہ کی معتبر کتابوں سے خاص فتاوی رضویہ شریف سے یہ بات بالکل صاف ہوگئی کہ نماز عید غیر معین کے علاوہ کسی کو پڑھانے کی اجازت نہیں ہے۔ اور اگر امام معین نے پڑھادی ہو اور لوگ نماز عید سے رہ گئے ہوں تو ان کو الگ سے کوئی امام کر کے جماعت کرنا جائز نہیں ہے۔

مزید چند اور حوالے اردو فتاوی سے اس مسئلہ سے متعلق نقل کئے دیتے ہیں تا کہ لوگوں کو مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

ایک ہی جگہ نماز عید کی دو جماعتوں کا حکم بیان کرتے ہوئے حضور صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

''نماز عید کے لئے بھی امام شرط ہے۔ جس طرح جمعہ کے لئے اور امام سلطان اسلام ہوگا یا اس کا نائب یا قاضی اور جہاں یہ نہ ہوں تو عام لوگوں نے جس کو امام مقرر کر لیا ہو وہ نماز پڑھائے گا۔ صورت مسئولہ میں جب کہ امام معین موجود ہے پھر دوسرے امام کو قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا امام معین نے جو پڑھایا وہی صحیح ہے اور دوسری جماعت ناجائز''

[فتاوی امجدیہ، ۱۶۸]

نماز جمعہ اور عید کا حکم ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں البتہ ایک حوالہ نماز جمعہ کے دوبارہ ہونے کے سلسلے میں اور پیش ہے۔ اور اس مسئلہ میں نماز عید اور نماز جمعہ کا حکم ایک سا ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا۔

فتاوی شرعیہ میں ہے:

''جمعہ کی نماز باجماعت ایک مسجد میں بروجہ مسنون ادا ہو جانے کے بعد پھر اسی مسجد میں جمعہ کی دوسری جماعت ناجائز ہے کیوں کہ نماز جمعہ کے لئے عوام کے منتخب امام کا ہونا شرط ہے اور دوسری جماعت میں یہ شرط مفقود ہے تو دوسری جماعت سرے سے ہوگی ہی نہیں۔ اذافات الشرط فات المشروط، جب شرط فوت ہوگئی تو مشروط بھی فوت ہوگیا۔ عامۃ المسلمین کو یہ حق پہنچتا ہے کہ چند افراد کو جماعت ثانیہ سے روکیں۔

[فتاوی شرعیہ، ۳/ ۵۴۱، ۵۴۲]

مفتی عبدالحق رضوی صاحب مفتی اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ جمعہ وعیدین کی جماعت ثانیہ سے متعلق اپنے ایک تفصیلی فتوی میں لکھتے ہیں:

ایک مسجد میں دو یا چند بارہ جمعہ وعیدین کی جماعت جائز و درست ہونے کے لئے ضروری ہے کہ مسجد کے ارباب حل وعقد ٹرسٹیان (متولی وغیرہ) پہلے ہی سے حسب ضرورت دو یا چند امام جمعہ وعیدین مقرر کردیں مقرر کردہ امام ہی نماز پڑھائے کوئی دوسرا نہ پڑھائے''

[ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اکتوبر ۲۰۱۶، ص ۹]

آگے لکھتے ہیں:

''اگر صورت حال یہ ہے کہ جہاں مسلمانوں کی اتنی کثرت ہو کہ وہ سب بیک وقت مسجد میں سما ہی نہیں سکتے اس مجبوری کے پیش نظر مسجد کے ارباب حل وعقد نے پہلے ہی سے حسب ضرورت دو یا چند امام جمعہ وعیدین مقرر کر رکھے ہیں انہیں مقرر کردہ اماموں نے متعدد بار مسجد یا عیدگاہ میں جمعہ وعیدین کو پڑھایا۔۔۔۔۔ تو تعدد جمعہ وعیدین شرائط مذکورہ کے ساتھ الضرورات تبیح المحظورات اور دفع حرج کی وجہ سے جائز و درست ہے۔''

[مرجع سابق، ص ۱۳]

ایک ہی مسجد میں اور ایک ہی مصلی پر تین اماموں کا تین بار نماز عید الاضحیٰ پڑھانے سے متعلق بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''نمازِ عید مثل نماز جمعہ ہے نمازِ پنجگانہ کی طرح نہیں جن میں ہر شخص صالح امامت کر سکتا ہے، عیدین اور جمعہ کے لئے شرط ہے کہ امام خود سلطانِ اسلام ہو یا اُس کا نائب یا ماذون، اور وہ نہ ہو تو بضرورت جسے عام مسلمانوں نے امامتِ جمعہ وعیدین کے لئے مقرر کیا ہو، ظاہر ہے کہ

ایک مسجد میں ایک نماز کے لئے دو شخص امام مقرر نہیں ہوتے تو جو امام مقرر نہیں اس کے پیچھے والوں کی نماز نہ ہوگی۔
[فتاوی بحر العلوم، ۱/ ۵۵۵]

ایک عید گاہ میں ایک سے زائد جماعتوں کا حکم بیان کرتے ہوئے بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"متعدد جماعتوں کے امام اگر شرعی طور پر مقرر اور متعین تھے تو تمام جماعتوں کی نماز ہوگئی ۔اور اگر آج کل کے دستور کے مطابق مقررہ امام تو ایک ہی تھا بغیر جماعت کے لوگوں نے وقتی طور پر کسی صالح امامت کو آگے بڑھا دیا اور نماز پڑھ لی تو ان کی نماز عید ادا نہ ہوئی"
[فتاوی بحر العلوم، ۱/ ۳۰۷]

اور جو لوگ نماز پنجگانہ کی جماعت ثانیہ پر اس کو قیاس کرتے ہوئے حکم دے دیتے ہیں کہ محراب سے ادھر ادھر کھسک کر نماز پڑھ لو ہو جائے گی۔

بحر العلوم فرماتے ہیں:

"نہ ہی محراب سے ادھر ادھر کھسک کر پڑھنے سے نماز جائز ہوگی۔ جس نے یہ شگوفہ نکالا اس نے خلط مبحث کیا یہ مسئلہ پنجوقتی نماز کے بارے میں ہے۔ تو نماز عید پر اس مسئلہ کو جاری کرنا غلط ہے۔"
[فتاوی بحر العلوم، ۱/ ۳۰۷]

بالجملہ: امام معین نے جب نماز عید پڑھا دی تو جو لوگ باقی بچے ان کو کسی اور مسجد میں یا عید گاہ میں نماز ادا کرنا چاہئے تھا۔ اسی مسجد میں غیر معین امام کے پیچھے نماز ادا کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں تھا۔

نوٹ:۔مندرجہ ذیل علمائے کرام اور مفتیان عظام نے مذکورہ بالا تحریر کی تصدیق وتائید فرمائی ہے۔

مفتی محمد ایوب خاں نعیمی، مفتی محمد سلیمان نعیمی برکاتی، (جامعہ نعیمیہ مراد آباد) مفتی محمد سلیم بریلوی، مفتی محمد افروز عالم، مفتی محمد ایوب خاں نوری، منظر اسلام بریلی شریف، مفتی محمد افضال احمد رضوی، مرکزی دار الافتاء بریلی شریف۔ مفتی قاضی شہید عالم، مولانا حنیف برکاتی، جامعہ نوریہ، بریلی شریف، مفتی صالح، مفتی مطیع الرحمن، جامعۃ الرضا، بریلی شریف، مفتی سید شاہد میاں، قاضی رام پور، مفتی محمد نسیم، مفتی بدر عالم صاحب، جامعہ اشرفیہ مبارک پور ۔مفتی امجد رضا امجد، ادارہ شرعیہ پٹنہ بہار، مفتی اشتیاق احمد مصباحی، جامعہ فاروقیہ بھوجپور۔ مفتی ذیشان مصباحی، دار الافتاء مدرسہ بدر العلوم جس پور، مفتی محمد سلطان رضا نعیمی، مراد آباد

□□□

(بقیہ آداب گفتگو۔۔۔۔۔)

میں پڑی ہوئی ایک رسی ہے جسے وہ جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے، جب انسان اپنے معاملات پر قابو نہیں رکھ پاتا تو اس کا منہ مختلف فواحش ومنکرات کی گذرگاہ بن جاتا ہے جو دلوں کو ملوث اور دماغوں کو نفرت و پراگندی میں ڈالدیتی ہیں۔ اس کا سب سے بہترین علاج یہ ہے کہ انسان غیر متعلق معاملات سے اپنا ہاتھ جھاڑ لے اور ان امور میں مداخلت نہ کرے جن کے بارے میں وہ جوابدہ نہیں ہے یہ آدمی کے حسن ایمان اور پاکیزہ تہذیب واخلاق کی علامت ہے۔

لغویات سے پرہیز کرنا اخلاق حمیدہ کی علامت ہے، عقل وشعور کی تندرستی، عزت ووقار کی نشانی اور فضیلت وکرامت کی پہچان ہے۔ آپ انسان کے ان تمام مشاغل کو اکٹھا کریں جو داستانوں، کہانیوں، افسانوں، تقریروں اور نشر واشاعت کی مشہور ومعروف خبروں پر مشتمل ہیں جن سے محض نگاہیں سینکی جاتی ہیں۔ جن کی طرف کان لگائے جاتے ہیں اور جن سے صرف حظ نفس اٹھایا جاتا ہے مگر ان اقوال واعمال سے کوئی خاطر خواہ فائدہ سامنے نہیں آتا تو یہ چیز بھی لغویات میں داخل ہے کیونکہ اعلیٰ وارفع مقاصد کو چھوڑ کر بے فائدہ مشاغل میں پڑنا تضیع اوقات اور سراسر خسارہ عمر ہے ۔عقل مندوں نے اس سے کراہیت کا اظہار کیا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جو جتنا بولے گا اس سے اتنی ہی غلطیاں سرزد ہوں گی تو کیوں نہیں "من سکت نجی" کے اصول پر عمل کیا جائے۔

کچھ لوگ زندگی بھر ترش رو، تندمزاج اور فحش گو رہتے ہیں، ان کا دل ان منکرات پر ذرہ برابر نہیں کڑھتا، نہ ان کا اخلاق اس پر ملامت کرتا ہے اور نہ ہی اس کی عقل اس کا نوٹس لیتی ہے۔ ایسے سفہاء کے ساتھ شریف آدمی کا رویہ یہ ہونا چاہئے کہ وہ ان کی باتوں میں نہ الجھے۔ اس لئے کہ ان کی طبیعت کو ہوا دینے سے فساد پیدا ہوگا اور اس وسیلے کو روکنا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس موقع پر اسلام نے حکم دیا ہے کہ جاہلوں کو طرح دے جاؤ؟ طرح دے جانے کا مطلب یہ ہے کہ شرفا کے لئے یہ مناسب نہیں کہ کسی بد اخلاق کے ساتھ اپنا سرمایہ اخلاق گنوا بیٹھیں۔ شاد عظیم آبادی نے کیا خوب کہا ہے۔

گلوں نے خاروں کے چھیڑنے پر سوا خموشی کے دم نہ مارا
شریف الجھیں اگر کسی سے تو پھر شرافت کہاں رہے گی

☆☆☆

اہل سنت کی شیرازہ بندی: مسائل اور امکانات

حضرت علامہ محمد احمد مصباحی ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

جب ہم اہل سنت کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو ان میں بنیادی فکری و اعتقادی اتحاد کے باوجود عالمی یا ملکی یا صوبائی یا ضلعی سطح پر عملاً کوئی باضابطہ ارتباط نظر نہیں آتا۔ یوں اپنی نجی ضروریات اور وقتی کاموں کے لیے لوگ آپس میں رابطہ ضرور رکھتے ہیں مگر جماعتی و اجتماعی انداز میں کوئی باقاعدہ تنظیم کسی میدان میں نہیں۔ نہ کوئی دعوتی و اصلاحی مرکز ہے جس پر سب متفق ہوں، نہ کوئی روحانی قیادت ہے جو سب کا مرجع اور سب پر اثر انداز ہو، نہ کوئی تعلیمی و تربیتی ادارہ ہے جس میں سب کے لیے کشش ہو اور جس کی پیشوائی سب کو قبول ہو، نہ کوئی علمی تحقیقی تصنیفی انجمن ہے جسے قبول عام حاصل ہو، نہ دوسرے سماجی رفاہی قومی میدانوں میں کام کی کوئی اجتماعی ہیئت ہے جو قابل ذکر ہو۔ اور سیاسی میدان تو بالکل خالی ہے ،اس میں نہ ہماری کوئی نمائندگی ہے، نہ قومی و ملکی سطح پر ہمارا کوئی نام و نشان۔ یہ پورا وسیع و عریض میدان غیروں کے لیے محفوظ ہے۔

اس سے انکار نہیں کہ انفرادی طور پر جماعت میں بہت سارا کام ہو رہا ہے اور اسی کی بدولت جماعت کا کارواں کسی طرح رواں دواں ہے لیکن اجتماعیت اور تنظیم کی شان ہی الگ ہے اور اس کے ثمرات و برکات ہمہ گیر اور پائدار ہیں۔ مسائل: اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل سنت و جماعت جن کا وجود عہد رسالت سے آج تک پورے تسلسل کے ساتھ چلا آرہا ہے، یہی ہمیشہ بیرونی و اندرونی سازشوں کا نشانہ بنے۔ خارجی طاقتوں کا نشانہ بھی یہی رہے اور داخلی فتنوں کا شکار بھی یہی ہوئے۔ خلافت راشدہ کے دور اخیر میں خوارج کا گروہ ہمارے ہی درمیان سے نکلا اور خود مسلمانوں کے خون کا پیاسا ہوا، اس کے بعد بھی ہر دور میں ایک تسلسل کے ساتھ فتنے اٹھتے ،فرقے بنتے اور باطل مذاہب بڑھتے رہے۔ اہل سنت کی تعداد گھٹتی رہی، اہل حق کو اکثر ادوار میں بیرونی دشمنوں سے بھی مقابلہ کرنا پڑا اور عوام کو داخلی فتنوں سے بچانے کے لیے بھی سرگرم رہنا پڑا۔ ان کی دردمندی، مخلصانہ سرگرمی اور ہمہ جہت مساعی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے فرقوں کا خاتمہ ہو گیا اور آج ان کی طرف اپنے کو منسوب کرنے والا کوئی نہ رہا۔ یہ اور بات ہے کہ ان کے اٹھائے ہوئے کچھ خیالات بعد کے نئے فرقوں میں در آئے اور ان کے اثرات آج بھی باقی ہیں مگر قدیم علماے حق اور ان کے معاونین سے جو کچھ ہو سکتا تھا اس میں انھوں نے کوئی کسر روا نہ رکھی۔ اب اہل سنت پر جن فرقوں کا حملہ زیادہ شدت سے ہو رہا ہے وہ تقریباً دو سو سال پہلے کی پیداوار ہیں، یہ اہل سنت ہی کے درمیان سے نکلے اور ایک نیا مذہب بنا کر اہل سنت کو صراط مستقیم سے ہٹانے اور نئے جال میں پھنسانے کی مہم تیزی سے شروع کر دی۔ اس کے لیے انھوں نے مختلف حربے استعمال کیے:

۱۔ کتابیں لکھیں جن میں اہل سنت کے عقائد و معمولات کو شرک قرار دیا۔

۲۔ اجتماعات اور جلسے کر کے لوگوں کا ذہن مسموم کرنے کی کوشش کی۔

۳۔ لوگوں سے مکانوں، دکانوں پر ملاقات کر کے انھیں اپنی طرف مائل کیا۔

۴۔ اہل سنت کے درمیان اپنے مکاتب و مدارس قائم کر کے تعلیم و تربیت کے نام پر ہماری نسل کو قریب کیا پھر اسے اپنا ہم عقیدہ اور اپنے مذہب کا داعی و مبلغ بنا دیا اسی طرح اہل سنت کے درمیان مسجدیں بنائیں یا ان کی مسجدوں پر قبضہ کیا پھر نمازیوں کو اپنا ہم عقیدہ بنا لیا۔

۵۔ اسکول اور کالج قائم کر کے عصری تعلیم کا شوق دلایا پھر طلبہ کے ذہن میں اپنا عقیدہ اور مذہب بھی اتار دیا۔

۶۔ کلمہ و نماز کی تبلیغ کے نام پر ایک جماعت قائم کی اور اس کے ذریعے اہل

سنت کے بے شمار افراد اور چھوٹی بڑی بہت سی آبادیوں کو اپنا ہم نوا بنالیا۔

۷۔ ان کے علاوہ تحقیق وتصنیف، سیاسی وسماجی نقل وحرکت اور دوسرے ہر قسم کے ذرائع سے لوگوں کو پہلے اپنا مداح ومعتقد پھر اپنا ہم عقیدہ بنانے کی کوشش کی۔ ان حرکتوں سے نقصان صرف اہل سنت کو پہنچا، انہی کی تعداد گھٹی، انہی کے افراد اہل باطل کا نشانہ بنے اور وہی طرح طرح کی سازشوں کا شکار ہوئے۔ اور یہ سلسلہ آج بھی پوری قوت کے ساتھ جاری ہے۔ اب اہل سنت کے سامنے دو چیلنج ہیں:

(۱) اپنے ٹوٹے ہوئے افراد کو پھر جوڑنا۔

(۲) دیگر افراد کو شکار ہونے سے بچانا۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ دشمن کے پاس جتنے اسلحے اور ہتھیار ہیں ان سے زیادہ ہتھیار اور ان سے قوی اسلحے ہمارے پاس ہوں، ان کے اندر جو سرگرمی اور مستعدی ہے اس سے زیادہ ہمارے اندر ہو۔ اس کے لیے باہمی اختلاف وانتشار سے دوری اور تحفظ عقائد وفروغ مسلک کے لیے اجتماعیت اور شیرازہ بندی کس قدر ضروری ہے، یہ اہل دانش کے لیے محتاج بیان نہیں۔

امکانات: پیشوایان اہل سنت اور دردمندان ملت اگر دل وجان سے متوجہ ہوں تو اسباب ووسائل کی فراہمی ہمارے لیے بھی ممکن ہے اور ایسا ہو سکتا ہے کہ کام کو مختلف حصوں اور شعبوں میں تقسیم کرکے ہر شعبے کے لیے لائق اور فعال افراد پر مشتمل مجلسیں یا بورڈ بنادیے جائیں تاکہ کام آسانی سے ہو سکے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ تین چار یا چار پانچ افراد پر مشتمل ایک تھنک ٹینک یا مجلس اعلیٰ ہو جو پوری بالغ نظری کے ساتھ تمام امور کے لیے منصوبہ سازی، مجالس سازی، اصول سازی اور تنفیذ وترویج کی ذمہ دار ہو۔ اسی طرح مشکلات اور رکاوٹوں پر غور کرنے اور انھیں دور کرنے پر بھی اس کی نظر ہو۔ یہ کام ممکن ہونے کے ساتھ مشکل ضرور ہے۔ وقت اور سرمایے کی بڑی قربانی چاہتا ہے۔ اتنے بڑے ملک میں پھیلے ہوئے اہل سنت کی شیرازہ بندی اور ہر خطے کے لوگوں کو متحرک وفعال بنانا اور شاطرانہ حملوں کے دفاع کے لیے بیدار وتیار رکھنا کوئی ایسا کام نہیں جو چند دنوں یا ہفتوں کی محنت میں انجام پذیر ہو جائے۔ مہینوں بلکہ برسوں کی مدت درکار ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے ہر علاقے کا دورہ کرکے وہاں کے حالات اور ضروریات کا جائزہ لیا جائے، قابل عمل اور لائق اعتماد افراد تلاش کیے جائیں، پھر جہاں مکتب، مسجد، مدرسہ، اسکول، کالج، شفاخانہ وغیرہ قائم کرنے کی ضرورت ہو ان کا قیام عمل میں لایا جائے اور طے شدہ خطوط پر ان کا انتظام معتمد افراد کے سپرد کیا جائے۔ اور جہاں پہلے سے ادارے قائم ہیں انھیں بھی تنظیم سے منسلک کرنے کی کوشش کی جائے اور انھیں زیادہ فعال اور کارآمد بنایا جائے۔

اس طرح ہر جگہ کے حالات سے واقفیت بھی بہم ہوگی اور ہر علاقے کے نمائندے مجلس اعلیٰ کے ماتحت مجلس منتظمہ یا مجلس شوریٰ میں شامل ہوں گے اور برابر ان سے رابطہ رہ سکے گا۔ بہت بڑی مرکزی عمارت اور بہت سے آفسوں اور ورکروں کی بھی ضرورت ہوگی جو ہر علاقے کے حالات جاننے، ان کی رپورٹ پیش کرنے اور عام ضروریات کے لیے اپنے متعلقہ مقامات کا دورہ کرنے کے ذمہ دار ہوں۔ ساری تفصیلات تھنک ٹینک یا مجلس اعلیٰ طے کرسکتی ہے۔ اگر ملک گیر پیمانے پر آغاز مشکل ہو تو جس حد تک بآسانی ابتدا ہو سکے اسی حد پر کام شروع کیا جائے۔ اسی طرح جو کام انفرادی طور پر یا کسی مجلس اور بورڈ کی ماتحتی میں ہو رہے ہیں انہی کو تقویت دی جائے اور جو میدان بالکل خالی ہے اس پر خاص توجہ صرف کی جائے۔ سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ پیش قدمی کس طرح سے ہو؟ کہاں سے ہو؟ اور کون کرے؟ بہر حال یہ اقدام ایک یا چند حساس، دردمند، مخلص اور توانا قلب وجگر کے بغیر ممکن نظر نہیں آتا۔ مگر قوم کے خسارے سے صرفِ نظر کسی طرح روا نہیں۔ اقدام ہونا چاہیے اور ضرور ہونا چاہیے۔ واللہ الموفق والمعین۔

اندیشے: اگر سارے اکابر اور پیشوایان قوم اس میں دل چسپی نہیں لیتے تو جو دردمند اور حساس حضرات ہیں وہی پیش قدمی کرکے کام شروع کریں اور آگے بڑھائیں باقی حضرات سے گزارش کی جائے کہ اگر حمایت اور مشارکت نہیں کرسکتے تو مخالفت اور رکاوٹ سے بھی باز رہیں ورنہ احکم الحاکمین کے حضور اہل سنت کے عظیم خساروں کا حساب دینے کے لیے تیار رہیں۔ اگر جماعت کی اکثریت خصوصاً اہل علم ودانش اور اہل ثروت میں یہ احساس بیدار ہو جاتا ہے کہ ہم مسلسل خساروں سے دوچار ہیں اور تلافی کے لیے میدان عمل میں جان ودل ہوش وخرد، اور زبان وعمل کے ساتھ سرگرم ہونا ضروری ہے تو کام کی راہیں کھل سکتی ہیں ورنہ غفلت وبے حسی کے ماحول میں کام یابی کی توقع فضول ہے۔ مگر میرا اندازہ ہے کہ اکثریت حساس اور بیدار ہونے کے ساتھ کسی پیش قدمی کی منتظر ہے۔ رب تعالیٰ ہمارا حسن ظن راست فرمائے اور سب کو حسب درجہ ومقام اور حسب ہمت وصلاحیت توفیق خیر سے نوازے۔ وہو المستعان وعلیہ التکلان۔

□□□

طلاق ثلاثہ پر سپریم کورٹ کا فیصلہ اوراس کے مضمرات

مولانا آل مصطفی مصباحی، جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

بیک نشست تین طلاق کے مسئلے پر سپریم کورٹ نے جو فیصلہ محفوظ کر لیا تھا اسے ۲۲/ اگست ۲۰۱۷ء کو جاری کر دیا گیا، پانچ رکنی آئینی بنچ میں سے دو جج صاحبان نے جس میں چیف جسٹس بھی شامل ہیں، طلاق ثلاثہ کو غیر قانونی و بے اثر ماننے سے انکار کیا ہے ۔لیکن ۔اس پر چھ مہینے کی پابندی عائد کرتے ہوئے حکومت کو ہدایت کی ہے کہ وہ اس تعلق سے پارلیمنٹ میں قانون بنائے ۔مگر ۔پانچ میں سے تین ججوں نے جو فیصلہ صادر کیا ہے اس کے دو حصے ہیں ۔ایک یہ کہ تین طلاق غیر قانونی ہے یعنی اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک نشست میں تین طلاق دے ڈالتا ہے تو وہ واقع و نافذ نہیں ہوگی وہ بے اثر و کالعدم قرار پائے گی ۔فیصلے کے دوسرے حصے میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ دفعہ ۲۵/ کے تحت بنیادی حق مذہب میں مداخلت نہیں کی جاسکتی ۔فیصلے کے یہ دونوں حصے ایک دوسرے سے متصادم ہیں ۔طلاق ثلاثہ کو غیر قانونی قرار دینے کا معنی قانون کی نظر میں اس کا واقع نہ ماننا ہے ۔لہذا کوئی مرد اپنی بیوی کو طلاق ثلاثہ بیک نشست دے دے جب بھی وہ مطلقہ نہیں ہوگی اور بدستور اس کی بیوی رہے گی، اس کے ساتھ میاں بیوی کے تعلقات روا ہوں گے ۔جب کہ فیصلے کے دوسرے اور ضمنی حصے کی رو سے اس طرح طلاق دینا جرم و گناہ ہے ۔مگر ۔طلاق بہر حال واقع ہو جائے گی اور مطلقہ کے ساتھ تعلقات زوجیت قائم کرنا درست نہ ہوگا ۔کیوں کہ مسلم پرسنل لاء کے پورے طور پر محفوظ رہنے والے دفعہ کی تشریح میں یہ بات بھی شامل ہے۔

فیصلہ آنے کے بعد مسلم حلقے میں خوشی اور مایوسی کا ملا جلا ردعمل ہے، خوشی تو اس بات کی ہے کہ ملک کے سب سے بڑے ادارۂ انصاف نے پرسنل لاء کے محافظ دفعہ ۲۵/ کی وضاحت میں بنیادی حقوق کے معاملے کو آئینی تحفظ عطا کرنے کی بات کہی ہے ۔جو خوش آیند اور قابل تحسین امر ہے ۔اور مایوسی و اضطراب اس لیے ہے کہ طلاق ثلاثہ کو غیر قانونی و بے اثر قرار دیئے جانے کی صورت میں عملی طور پر بھی مطلقہ عورت کا معاملہ سلجھنے کے بجائے مزید الجھ جائے گا، اور وہ ایسے موڑ پر کھڑی نظر آئے گی جہاں دو کشتی پر اس کا پیر ہوگا اور وہ کبھی بھی ساحل تک نہ پہونچ سکے گی ۔ظاہر ہے کہ قانون کا پہلا حصہ طلاق ثلاثہ کے باوجود مطلقہ عورت کو بدستور بیوی قرار دے گا، جب کہ فیصلے کے دوسرے حصے ۔نیز ۔مذہب و شریعت کی رو سے وہ اب اپنے شوہر کی زوجہ نہ رہے گی اور وہ تمام چیزیں حرام قرار پائیں گی جو زوجیت کی بقا کی صورت میں حلال تھیں ۔ظاہر ہے کہ اس صورت حال میں مطلقہ عورت سخت عملی مشکلات میں گھر جائے گی ۔کیوں کہ جب شریعت مطہرہ کی رو سے مطلقہ ہو چکی ہے تو مذہب کی اتباع کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو مطلقہ اور شوہر پر حرام سمجھے، اور قانون کی نگاہ میں جب ایسی بدعی طلاق غیر قانونی ہے یعنی بے اثر اور کالعدم ہے، واقع اور نافذ نہیں، تو عورت غیر مطلقہ قرار پائے گی، ایسی صورت میں اس کے درد کا مداوا تو نہ ہوگا، وہ مزید بھنور میں پھنس جائے گی کیوں کہ مسلم معاشرہ ایسی عورت کو طلاق دہندہ کی زوجہ کی صورت میں قبول کرنے کے لیے ہرگز تیار نہ ہوگا۔

جو لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ فیصلہ بہر حال مسلمانوں کے حق میں ہے وہ فیصلے کے نشیب و فراز کا صحیح جائزہ لینے میں ناکام

رہے ہیں۔ یا۔ پھر انہوں نے فیصلے کے صرف ایک حصے پر اپنی توجہ مرکوز رکھی ہے۔ جب کہ دوسرا حصہ ۹۵٪ فی صد مسلمان یعنی پچیس کروڑ سے زائد مسلمان کے پرسنل لاء کے خلاف ہے۔ بلکہ غور کیجئے تو اسلامک لاء کے خلاف ہے اور یہ وہ مسلمان ہیں جو چاروں ائمہ فقہ (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) میں سے کسی ایک کے پیروکار ہیں۔ کیوں کہ چاروں ائمہ فقہ قرآن وسنت کی روشنی میں یہ اجماع کر چکے ہیں کہ تین طلاق خواہ بیک نشست دی جائے یا متفرق طور پر وہ تین ہی مانی جائیں گی۔ اور اس پر چودہ سو سال سے مسلمانوں کا عمل درآمد ہے۔ اس سے واضح ہے کہ موجودہ حکومت نے مسلمانوں کی اکثریت کو نظر انداز کر کے طلاق ثلاثہ کے خلاف سپریم کورٹ میں عرضی داخل کی تھی۔ جب دستور کے دفعہ/ ۲۵ کے تحت بنیادی حقوق کے دائرہ میں پرسنل لاء کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ تو پھر ایسی عرضی کا مقصد کیا تھا؟ وہ جگ ظاہر ہے۔ اب جب کہ چیف جسٹس سمیت دو ججوں نے پارلیمنٹ کو چھ ماہ کے اندر اس تعلق سے قانون بنانے کی ہدایت دی ہے اس میں ہمارا بنیادی رول حکومت کو چند بنیادی چیزوں کی طرف توجہ دلانے میں ہونا چاہیے،

(۱) طلاق ثلاثہ کا مسئلہ مسلمانوں کا خود ساختہ نہیں، یہ قرآن وسنت کا فیصلہ ہے۔ یہ پرسنل لاء سے بھی اوپر اسلامک لاء کا معاملہ ہے۔ اس لئے تمام مسلمان مل کر بھی اسے منسوخ نہیں کر سکتے۔

(۲) قرآن کریم میں تین طلاق کا ذکر صراحت کے ساتھ ہے جس میں تین طلاق کی تمام شکلیں داخل ہیں، خواہ وہ متفرق طور پر دی جائیں یا بیک نشست۔

(۳) قرآن کریم کی تشریح وتفسیر وہی معتبر ہے جو احادیث کریمہ کی روشنی میں ہو۔ اور یہ تمام تشریحات وتفسیرات صدیوں پہلے ارشاد رسول کی روشنی میں طے ہو چکی ہیں۔ اب کسی کو بھی خواہ وہ مسلمان ہو یا کوئی اور، آیتوں کی تفسیر کا حق نہیں۔ خصوصا جب کہ وہ ایضاح وتفسیر کی صلاحیت سے بھی عاری ہو۔

(۴) ہندوستان میں مسلمان کہلانے والوں کا سب سے بڑا طبقہ چاروں مکاتیب فقہ کے ائمۂ دین کے متبعین کا ہے۔ بلفظ دیگر وہ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی کہلانے والوں کا ہے۔ جن کے نزدیک تین طلاق جرم وگناہ تو ہے مگر ضرور واقع ونافذ ہو جاتی ہے۔ ہاں روافض اور غیر مقلدین کا طبقہ تین طلاق کے تین ہونے کا قائل نہیں۔ روافض کے یہاں اس کا تصور نہیں، جبکہ غیر مقلدین کے یہاں واقع ہوتی ہے مگر صرف ایک۔

(۵) تین طلاق کی شرح بہت ہی کم ہے، حکومت سنجیدگی کے ساتھ طلاق اور تین طلاق کی شرح کا پتا لگائے۔

(۶) جس معاشرے میں طلاق کی واردات زیادہ ہوتی ہیں وہ اونچا اور معیاری وتعلیم یافتہ سماج نہیں۔ بلکہ۔ جاہل، اَن پڑھ، غیر معیاری سماج ہے۔

(۷) نکاح وطلاق مسلمانوں کے اپنے مسائل ہیں۔ اور ان کے لیے ٹھوس نا قابل تردید قانون شرعی واصول اسلامی موجود ہیں۔ اور مسلمان بحیثیت مسلمان ان کے پابند ہیں۔ اور دستور ہند نے ہر ایک کو اپنے مذہب پر عمل کا آئینی حق دیا ہے۔ ادارۂ قانون ساز ہو یا منفذ قانون، ان کی ذمہ داری دیئے گئے حقوق کے مطابق قانون بنانے اور ان کے نافذ کرنے کا ہے۔ اور یہی جمہوریت کی شان ہے۔ قانون شرعی کی توضیح وتنقیح ائمہ دین اور حاملان شریعت کی ذمہ داری ہے۔ اگر۔ ہم نے وقت آنے پر مرکزی سیاسی مشن کے روبرو ان نکات کو مدلل طور پر رکھا تو امید ہے کہ ہم ساحل مراد تک پہونچ سکیں گے۔ ورنہ وہی حشر ہوگا جو مسلم پرسنل لاء بورڈ کی روح فرسا غلطیوں کی وجہ سے ابھی ہوا۔ بورڈ کے ارکان ومحبین میرے اس جملے پر چراغ پا نہ ہوں بلکہ خود احتسابی سے کام لیں۔ اور دیکھیں کہ کہاں کہاں غلطیاں ہوئیں؟......اور کیوں ہوئیں؟......طلاق ثلاثہ کے مقدمے کے پانچ فریق میں سے دو بڑے فریق کی حیثیت سے مسلم پرسنل لاء بورڈ اور جمعیۃ العلما کا نام آتا ہے۔ حالات پر گہری نظر رکھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس معاملے کو الجھانے اور اس منزل تک پہونچانے میں دونوں فریق خاص کر مسلم پرسنل لاء بورڈ کی کارفرمائی

ہے۔حالات بتاتے ہیں کہ بورڈ نے نہ جانے کن خفیہ مقاصد کی تحصیل کے لیے اس معاملے میں مبہم اور دورخی پالیسی اپنائی تھی۔سوال بورڈ سے ایک نہیں انیک ہیں۔جن میں سب سے اہم سوال یہ ہے کہ عام مسلمانوں کی طرح بورڈ بھی اس بات سے اچھی طرح واقف تھا کہ کورٹ میں مخالف وکیل کی جانب سے قرآن کریم میں طلاق ثلاثہ کے ذکر کی بات پوچھی جائے گی۔چناں چہ بار بار یہ پوچھا بھی گیا اگر بورڈ علمی لیاقت سے محروم یا غیر شرعی مصلحت کا شکار نہ تھا تو اس نے جواب میں یہ کیوں کہا تھا کہ طلاق ثلاثہ قرآن سے ثابت نہیں۔جمعیۃ العلماء کے سکریٹری بھی اس فاش غلطی کا اعتراف کر چکے ہیں، بہتر ہوتا کہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ذمہ داران بھی کھلے دل سے اپنی بنیادی غلطی کا اعتراف کر لیتے۔بہر حال۔یہ نہ صرف حیرت کی بات ہے بلکہ انتہائی روح فرسا بھی۔پھر بورڈ کے وکیل نے طلاق ثلاثہ کو استھی (عقیدت) کا معاملہ کیسے بتایا؟ کیا بورڈ کو معلوم نہیں کہ یہ استھی کا معاملہ ہے یا قانون شرع کا؟

راقم الحروف ایک اور مسئلے کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہے وہ یہ کہ فیصلے میں شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ / کے تحت آنے والے امور خواہ وہ طلاق کی دیگر شکلیں ہوں یا وراثت وغیرہ، ان کے محفوظ ہونے کی صراحت کی گئی ہے، جو یقینا مسلمانوں کے مفاد میں ہے۔مگر کورٹ یہ بھی کہہ چکا ہے کہ حلالہ، تعدد ازواج وغیرہ سے متعلق الگ سے غور کیا جائے گا۔

یہ اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ وقت وفرصت پر حلالہ وغیرہ پر بھی بحثیں ہوں گی غور ہوگا۔خدانخواستہ اگر ایسا مرحلہ آئے تو مسلم پرسنل لاء بورڈ کا اس معاملے میں فریق بننے سے الگ رہنا ملت کے مفاد میں ہوگا۔کیوں کہ بورڈ اپنے اجلاس کے فیصلے میں حلالہ کے تعلق سے یہ کہہ چکا ہے کہ حلالہ غیر شرعی عمل ہے۔جس حلالہ کا حکم قرآن کریم نے دیا ہوا سے غیر شرعی طریقہ عمل بتانا کس درجہ جرأت کی بات ہے۔

خدارا اب مزید ملت کی رسوائی کا سامان نہ کیا جائے۔

□□□

بقیہ: ماھنامہ تحفہ حنفیہ.....

''ہمعصروں کا محسود'' محض شاعری نہیں اظہار حقیقت ہے امام احمد رضا نے بھی ایک منقبت میں اپنے حاسدین کا ذکر کیا ہے مگر یہ ذکر بھی شکر حق کے ساتھ ہے جس میں حاسدین کے لئے دعا بھی ہے فرماتے ہیں

عدو بد دین مذہب والے حاسد	تو ہی تنہا کا زور دل ہے یا غوث
حسد سے ان کے سینے پاک کردے	کہ بدتر دق سے بھی یہ سل ہے یا غوث
غذائے دق یہی خوں استخواں گوشت	یہ آتش دین کی آکل ہے یا غوث
دیا مجھ کو انہیں محروم چھوڑا	مرا کیا جرم حق فاصل ہے یا غوث
خدا سے لیں لڑائی وہ ہے معطی	نبی قاسم ہے تو موصل ہے یا غوث

آج بھی ان کے ناقدین وحاسدین سر ابھارے ہوئے ہیں بلکہ مختلف طرح کی عصبیت کے شکار ہیں، بعض نام نہاد صوفی اور نشہ دولت کے شکار ہمارے بعض نو فارغ علما بھی اس آزار میں مبتلا ہیں یہ آزار دراصل ان کے اندر کے ''زیغ وغضب'' کا آئینہ اور اپنی بے علمی وبے بضاعتی کا اظہار ہے ورنہ عالم عارف فقیہہ شیخ حرم وفضلائے عجم جس ذات کی محبت کو اہل ایمان واہل سنت ہونے کی علامت قرار دیں ان سے قلبی آزار اور کیا معنیٰ؟ اللہ تعالیٰ محبین کو ان کی محبت کا صلہ اور حاسدین کو رجوع الی الحق کی توفیق عطا فرمائے آمین

□□□

آداب گفتگو کے چند ایمان افروز پہلو

مولانا عبدالرزاق پیکر رضوی

قدرت نے انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے جن کے سبب اسے تمام مخلوقات پر فضیلت و برتری حاصل ہے انہیں میں زبان وبیان بھی ہے۔ مگر یہ جس قدر فضل وکمال کا سرچشمہ ہے اسی قدر آفات ومشکلات کا پیش خیمہ بھی ہے۔ یہ سچ ہے کہ منہ تمام نیکیوں کا خزانہ ہے لیکن برائیوں کا اسلحہ خانہ بھی ہے۔ زبان کو عجائبات میں سے شمار کرنا چاہئے۔ بظاہر یہ گوشت کا ایک معمولی ٹکڑا ہے لیکن اس کے تصرف کا دائرہ آسمان وزمین سے بھی زیادہ وسیع ہے کیونکہ تمام موجود ومعدوم باتیں زبان کے دائرۂ بیان میں آتی ہیں۔ زبان کو عقل کا نائب کہا گیا ہے اور عقل کے احاطے سے کوئی چیز خارج نہیں ہے۔ اور جو کچھ عقل وادراک میں آتا ہے زبان ہی اس کی تعبیر کرتی ہے۔ انسان کے کسی دوسرے عضو میں یہ صفت نہیں پائی جاتی۔ آنکھ کی حکومت شکل وصورت تک محدود ہے۔ کان کی حکومت نغمہ وصدا کا احاطہ کرتی ہے۔ اسی طرح دوسرے اعضاء جسمانی ہیں، ہر عضو کی حکومت ومملکت وجود کے ایک محدود خطے پر قائم ہے لیکن زبان کی حکومت ساری مملکت وجود پر ہے، بلکہ عدم کی تمام تر پہنائیاں بھی اس کے حدود مملکت میں شامل ہیں۔

اسلام نے کلام، اس کے اسلوب اور اس کے آداب وقواعد کے بہترین طریقے بتائے ہیں اور اس کی جانب خصوصی توجہ دلائی ہے، کیونکہ انسان کے منہ سے نکلی ہوئی بات، اس کی عقلی سطح اور اخلاقی فطرت کو بتاتی ہے۔ اس لئے کسی مفکر نے کہا ہے کہ کلام، متکلم کا آئینہ ہوتا ہے یعنی جیسی ذات ہوتی ہے ویسا ہی اس کا کلام ہوتا ہے اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ کلام ہی متکلم کا تہذیبی معیار ظاہر کرتا ہے اس لئے آداب گفتگو کا اولین مرحلہ محاسبۂ ذات ہے یعنی دوسروں سے مخاطب ہونے سے پہلے خود اپنے اندر جھانکنا چاہئے اور اپنے آپ سے سوال کرنا چاہئے کہ کیا کوئی ایسا موقع ہے جو گفتگو کا متقاضی ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو کلام کیجئے ورنہ خاموشی زیادہ بہتر ہے۔ بے محل گفتگو کرنا سراسر حماقت ہے اس سے پرہیز کرنا بے شمار فوائد کے حصول کا سبب ہوتا ہے۔

آداب گفتگو کا دوسرا بڑا مرحلہ فکر وآگہی کے بعد زبان کھولنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی بات زبان پر لانے سے پہلے اپنے دل ودماغ سے رجوع کیجئے اور اس بات کے معنی ومطلب اور حسن وقبح کو عقل وشعور کی کسوٹی پر پرکھئے، جب بات کی اچھائی کا اطمینان ہو جائے تو اسے زبان پر لائیے۔ ہر عقل مند آدمی زبان سے پہلے دل ودماغ سے کام لیتا ہے اور زبان کو عقل وشعور کے اختیار میں رکھتا ہے اس لئے قدیم دانشوروں نے کہا ہے کہ پہلے تولو۔۔۔۔۔۔ پھر بولو۔۔۔ غور وفکر کئے بغیر کوئی بات زبان پر لانا احمقوں کا شیوہ ہے۔

گفتگو میں سب سے پہلے ان آداب وقواعد کو سمجھنا ہوگا جن کے ثمرات شیریں ہوتے ہیں اور ان قبیح خصائل سے واقفیت بھی ضروری ہے جن کے نتائج تلخیوں کی شکل میں وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ جب تک ان دونوں چیز کی معرفت حاصل نہ ہوگی، نہ کلام حسن ادب کے زیور سے آراستہ ہو سکے گا اور نہ متکلم خطرات سے محفوظ رہ سکیں گے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل سات اصول بہت کارآمد ورہنما ثابت ہو سکتے ہیں۔

(۱) جب آدمی گفتگو کرے تو اچھی اور بھلی بات کرے اور اپنی زبان کو پاکیزہ گفتگو کا عادی بنائے۔ اس لئے کہ دل میں پیدا ہونے والے تمام خیالات کی بہترین ترجمان زبان ہی ہے، پاکیزہ اور عمدہ گفتگو دوست ودشمن سب پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس کے میٹھے پھل ظاہر ہوتے ہیں، یہ دوستوں

کی محبتوں کو جلا دیتی ہے اور دوستی کو مستحکم و پائیدار بناتی ہے جبکہ دشمنوں کی آتش عداوت کو بجھا دیتی ہے یا کم از کم ان کی دشمنی کی شرانگیزی میں نمایاں فرق پیدا کر دیتی ہے۔

(۲) بے مطلب کی باتیں نہ کریں کیونکہ یہ لغو و فضول ہے بلکہ اس سے معصیت و گناہ کے کیچڑ میں جا پڑنے کا اندیشہ ہے۔

(۳) کام کی باتیں کریں تو اس وقت جبکہ اس کا موقعہ ہو بے موقع و محل کی باتیں کرتے رہنا بڑا عیب ہے اور اس سے دامن وقعت و اعتبار داغدار ہو جاتا ہے۔

(۴) کسی سمجھدار یا بے وقوف سے کج بحثی نہ کریں کیونکہ اگر وہ سمجھ دار ہوگا تو وہ آپ سے ناراض ہو جائے گا اور نفرت کرنے لگے گا اور اگر وہ جاہل و بے وقوف ہوگا تو وہ آپ کو ایذا و ضرر پہونچانے کے درپے ہو جائے گا۔

(۵) اپنے بھائی کی غیر حاضری میں اس کا تذکرہ ان الفاظ میں کریں جو آپ خود اپنی عدم موجودگی میں اسے سننا گوارا کرتے ہیں اور اسے ان چیزوں سے بری قرار دیں جن کے بارے میں خود آپ کی خواہش ہو کہ وہ آپ کو ان چیزوں سے بری سمجھے۔

(۶) غیر حاضری میں کسی کا تذکرہ کریں تو ہر حال میں باوقار و سنجیدہ اسلوب اختیار کریں اور ایسے لفظوں میں اسے یاد کریں کہ اگر وہ موجود ہوتا تو اسے احسان و بھلائی پر محمول کرتا ----- اسے قطعی عیوب و نقائص کے ساتھ یاد نہ کریں کہ اگر وہ اپنے کانوں سے سن لے تو چراغ پا ہو جائے۔

(۷) گفتگو میں حفظ مراتب کا لحاظ بھی اس کے بہترین آداب میں شامل ہے۔ ظاہر ہے کہ آپ جس طرح کی گفتگو اپنے دوستوں سے کرتے ہیں ویسی گفتگو بزرگوں کی محفل میں گستاخی و بے ادبی ہوگی۔ اسی طرح اپنے سے چھوٹوں کے درمیان گفتگو کرتے وقت یہ لحاظ ضروری ہے کہ ان کے اخلاق و سیرت پر کوئی برا اثر مرتب نہ ہو۔

کسی بھی انسان کے اندر یہ صفات عالیہ اسی قدر پرورش پا سکتی ہیں جب کہ وہ اپنی زبان کو قابو میں رکھتا ہو جہاں خاموشی ضروری ہو، وہاں اس کی لگام کھینچ لے اور جہاں گفتگو کی ضرورت محسوس ہو وہاں اسے قابو میں رکھتے ہوئے جنبش کی اجازت دے۔

اپنی زبان کو اپنے قابو میں رکھنا صاحبان عقل و ہوش کا سرمایہ ہے لیکن ایسے لوگ جو خود اپنی زبان کے محکوم ہیں، زندگی کے عملی میدان میں انہیں قدم قدم پر ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

گفتگو کی چار قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ سراپا مضرت ہی مضرت ہو، دوسری یہ کہ اس میں مضرت بھی ہو اور منفعت بھی، تیسری یہ کہ اس میں نہ مضرت ہو، اور نہ منفعت ہو چوتھی قسم یہ ہے کہ وہ سراپا منفعت ہو، پس مذکورہ بالا تین قسمیں اجتناب کے لائق ہیں صرف چوتھی اور آخری قسم ایسی ہے جو قابل قبول ہے۔

دروغ گوئی، سخن چینی، دشنام طرازی، زبان درازی، ہجو گوئی، مذاق و استہزا، مسخرہ پن و مبالغہ آمیزی اور ظرافت و بذلہ سنجی زبان کے وہ عالمگیر عیوب و آفات ہیں جن کے نقصانات زمانے پر روشن ہیں، البتہ تھوڑی سی ظرافت و خوش طبعی کبھی کبھی مباح ہے اور حسن اخلاق میں شامل ہے بشرطیکہ اس کو عادت نہ بنالیا جائے اور اس میں جھوٹی باتوں کا سہارا نہ ڈھونڈا جائے۔ یہ بات شب و روز کے مشاہدے کی ہے کہ بعض لوگ ہنسنے ہنسانے کے لئے اپنی زبان کو بے لگام چھوڑ دیتے ہیں اور دوست یا دشمن کی جانب سے گڑھے ہوئے قصے اور کہانیاں صرف اس مقصد کے لئے پھیلانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے کہ اس سے انہیں لطف ملتا ہے یا کچھ لوگوں کی پگڑی اچھلتی ہے۔ یہ روش سراسر غلط ہے کہ یہ روش کبھی کبھی جنگ و جدل اور باہمی رقابت و کینہ پروری تک پہونچا دیتی ہے۔

کچھ لوگ فطری طور پر اول فول اور واہی تباہی بکنے کے عادی ہوتے ہیں یہ خصلت بد، عقل انسانی کو زائل، فکر و شعور کو کوتاہ اور آئینہ قلب کو بے نور بنا کر رکھ دیتی ہے۔ جو لوگ مجلسوں میں اپنی باتوں کے ذریعہ تمام شرکاء پر چھا جانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی زبان سے گفتگو کی موسلا دھار بارش ہوتی رہتی ہے ان میں سے اکثر اپنے انداز گفتگو سے لوگوں پر خود کو عیاں کر دیتے ہیں کہ نہ ان کی باتیں فکر و بالیدگی کی حامل ہیں اور نہ ان کی صحت عقل و شعور لائق اعتبار ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مذہب اسلام نے خاموشی کی زبردست تلقین کی ہے اور اسے اپنی مہذب و عالمگیر تربیت کا ایک بڑا وسیلہ شمار کیا ہے، بے شک زبان شیطان کے ہاتھ ---(--- بقیہ صفحہ 38 پر)

خطیب الہند حضرت مولانا

حسن رضا خان پی۔ ایچ۔ ڈی۔ پٹنہ

سابق ڈائرکٹر ادارہ تحقیقات عربی فارسی پٹنہ

سے خصوصی ملاقات

ادارہ

ڈاکٹر حسن رضا خان علم وادب اور خطابت کی دنیا کا ایک منفرد نام ہے۔ امام احمد رضا پہ سب سے پہلی پی ایچ، ڈی پٹنہ یونیورسیٹی سے آپ ہی نے کی، جسے ماہر رضویات حضرت ڈاکٹر مسعود احمد مظہری نے "آئرن گیٹ" توڑنے سے تعبیر کیا۔ اس پی ایچ ڈی کے بعد گویا جامعاتی سطح پہ کام کی باد بہاری آگئی اور تقریبا ۵۰ پی ایچ ڈی کے مقالے لکھے جا چکے۔ رضویات پہ اس کے علاوہ بھی آپ نے جو تحقیقی واشاعتی کام کئے اس نے باب رضویات کو اور بھی مستند ومعتبر کیا۔ اس شمارہ کے مصاحبات کے لئے ان سے رابطہ ہوا انہوں نے علالت کے باوجود اس کے لئے وقت نکالا۔ ہم اس کرم نوازی پہ ان کے ممنون ہیں۔ قارئین نے ان کی تقاریر بہت سماعت کی ہیں اب ان کی زندگی کے احوال، خدمات اور آج کی مذہبی فضا کے حوالے سے ان کے تاثرات ان کے شکریہ کے ساتھ ملاحظہ کریں اور دعا کریں اللہ رب العزت انہیں جلد صحت یاب فرمائے اور ان کی خدمات سے جماعت اہل سنت فروغ واستحکام ملتا رہے۔ ادارہ

سوال: اپنے خاندانی حالات پر کچھ روشنی دالیں

جواب: میرا خاندان اوسط درجہ کے کسان کا تھا گھر میں تعلیم وتربیت اسلامی تھی میرے بڑے والد حافظ ولایت حسین خان صاحب جامعہ فرقانیہ لکھنو سے حافظ وقاری کی سند رکھتے تھے دادا بھی گھریلو تعلیم رکھتے تھے۔ میری پیدائش بروز بدھ ۴ر رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ/ ۲۳ر جولائی ۱۹۴۷ کو باتھ اصلی ضلع سیتامڑھی میں ہوئی۔ اصلی کی قید اس لئے ہے کہ انگریز حکومت نے اس گاؤں کے تین ٹولے "فیض پور، حسن پور اور بھتولی" کو اس گاؤں سے جوڑ کر پوسٹ آفس قائم کیا۔ اس لئے باتھ اصلی نام رکھا گیا۔

میری تعلیم کا آغاز گھر سے ہوا، مکتب بڑے ابا نے کیا اردو اور قرآن شریف کی تعلیم ان سے حاصل کرنے کے بعد فارسی کی تعلیم مولانا عبد الکریم صاحب سے حاصل کیا پھر مدرسہ نور الہدیٰ پوکھریرا میں میرا داخلہ ہوا۔ پھر کچھ دنوں کے لیے بارہ بنکی مدرسہ انصار العلوم میں حضرت مولانا سلیمان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہمراہ گیا، وہاں سے عزیز العلوم نانپارہ میں تعلیم حاصل کی، پھر وہاں سے واپسی کے بعد مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں داخلہ لیا۔ مدرسہ کے احاطہ میں ایک مسجد ہے نوری مسجد اس کے کمرہ نمبر دو (۲) میں میں رہتا تھا۔ ۱۵ روپے کرایہ کے طور پر میں ادا کرتا تھا۔ میرے زمانہ طالب علمی میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ میں جتنے سنی استاد تھے چاہے جس فکلٹی میں ہوں، سب ولی کامل تھے۔ مولوی سے فاضل تک کی تعلیم یہیں سے حاصل کی۔ پھر یہیں سے بہار اسکول ایجوکیشن بورڈ سے میٹرک ۱۹۶۶ء میں کیا اس کے بعد پٹنہ یونیورسیٹی سے آئی اے، بی اے، ایم اے اور پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

سوال: اپنے ایسے اساتذہ جنہوں نے آپ کی زندگی پر گہرا اثر ڈالا؟

جواب: میری زندگی پر سب سے زیادہ اثر ڈالنے والی

شخصیت دو ہیں۔ ایک حضرت مولانا سلیمان صاحب باتھوی، ان کی شفقت یہ تھی کہ وہ دن میں مدرسہ کے درس گاہ میں پڑھاتے اور رات میں اپنے گھر پر ۱۱ بجے رات تک تعلیم دیتے۔ اور لالٹین کی روشنی میں مجھ کو روزانہ گھر پہونچاتے۔ وہ اخلاص پسند تھے، علم وآگہی کے تاجدار تھے اور للٰہیت کے مظہر تھے۔ علم پھیلانے کا عشق تھا، اسی کا نتیجہ ہے کہ ان کا ایک ہی گھر تھا جس میں چند کمرے تھے جب مدرسہ بورڈ کو ادارہ سونپنے کے لئے زمین اور مکان کی ضرورت پیش آئی تو ان کے پاس اور کوئی زمین نہیں تھی سوائے مکان کے۔ انہوں نے فی سبیل اللہ اپنا مکان بورڈ کے حوالے کر دیا اور بال بچوں کے لیے رہنے اس وقت کوئی ٹھکانہ نہیں تھا مگر انہوں نے مسبب الاسباب پر بھروسا کر کے علم کے فیضان کو عام کرنے کے لیے قربانی دے کر بہت سے والوں کو درس عبرت دے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس اخلاص کی برکت سے ان کے سارے بچوں کو اچھے مکان اور بنگلور جیسے شہر میں خدا نے عطا فرما دیا۔ حضرت کا وصال بھی بنگلور ہی میں ہوا وہاں ان کا مزار فیض بخش عوام ہے۔

دوسری شخصیت پاسبان ملت علامہ مشتاق احمد نظامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ہے۔ انہوں نے ہمارے خون میں اعلیٰ حضرت کے عشق کو داخل کر دیا ضمیر وخمیر میں مسلک اعلیٰ حضرت کو جاں گزیں کر دیا۔ ان کی بے شمار خدمات ہیں دنیا ان کی خدمات کبھی بھلا نہیں سکتی۔ وہ علم وعمل کے پیکر تھے۔ خردہ نواز تھے جوہر شناس تھے، جس زرہ کے اندر پننے کی صلاحیت دیکھی اسے اپنی نگہ ناز میں رکھا اور دیکھتے ہی دیکھے جماعت کے لئے قابل فخر بنا دیا۔ مہاراشٹر اور راجستھان ان کا اصل میدان تھا جہاں آج بھی سنیت ان کے نام کے قصیدے پڑھتی ہے خدائے پاک ہمارے ان دونوں بزرگوں پر خاص کرم فرمائے۔ آمین

سوال: سیتا مڑھی کا ایک زرخیز علاقہ پوکھریرا اور باتھ اصلی بھی ہے۔ باتھ اصلی کے قدیم علما کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیں۔

جواب: باتھ اصلی صوبہ بہار کا ایک گاؤں ہے یہ گاؤں شہر سے کٹا ہوا ہے۔ مگر یہاں کی دینی تبلیغی اور ملی خدمات کا دائرہ ایک صدی پر محیط ہے۔ یہاں کے اکثر افراد کے اندر دین داری اور دین پروری کا جذبہ نمایاں ہے۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ اس گاؤں کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس گاؤں کے چار اشخاص کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ اکتساب فیض کے مواقع ملے یہ سب کے سب ان کی صحبت روحانی کے سبب فنافی الرسول ہوئے اور جو فنافی الرسول ہوتا ہے وہ جہاں سے گذر جاتا ہے درو دیوار ذاکر ہو جاتے ہیں اس لئے اعلیٰ حضرت کے فیضان کرم کے تابندہ نقوش نے اس گاؤں کو بقعہ نور بنا دیا جن میں حضرت مولانا رحیم بخش قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، بریلی شریف اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں جب تعلیم حاصل کرنے تشریف لے گئے تو مسلسل ۱۲ سال تک اعلیٰ حضرت کی صحبت میں رہے۔ اور فاضل کامل اور ولی باصفا ہو کر ہی واپس آئے۔ ان کی خدمات بہار بنگال اور آسام تک جاری رہیں میں۔ دوسری شخصیت حضرت علامہ محمد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ انہوں نے اعلیٰ کا آخری دور پایا۔ اعلیٰ حضرت نماز کے لیے جب کرسی پر مسجد جاتے تھے تو ان کی ذمہ یہ سعادت تھی کہ وہ اعلیٰ حضرت کو مسجد تک لے جائیں۔ ایک شخص کے گھر میں جنات کا بسیرا تھا۔ گھر والے بہت پریشان رہتے تھے۔ انہوں نے اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنی پریشانی کا ذکر کیا، اعلیٰ حضرت نے مولانا محمد حسین صاحب کو اپنی ٹوپی عطا فرمائی اور کہا آپ جائیے، جناب بھاگ جائیں گے اور یہی ہوا۔ جب مولانا پہنچے، سارے جنات بھاگ گئے جب واپس اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں آئے اور واقعہ پیش کیا تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا یہ ٹوپی آپ رکھئے،، جب بھی جنات کو بھگانا ہو تو یہ ٹوپی کافی ہے۔ میرے گاؤں میں وہ باکرامت ٹوپی بہت دنوں تک فیضان بخشی کام کرتی رہی۔ اب وہ تو ہی گھر والوں کی نادانی سے نظر نہیں آ رہی ہے۔ تیسری شخصیت حضرت مولانا عبد الجلیل صاحب کی ہے۔ اس گاؤں کے ایک ٹولہ کا نام فیض پور ہے جس میں محدث بہار حضرت علامہ مولانا احسان علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا گھر ہے۔ آپ کو اعلیٰ حضرت نے منظر اسلام میں مدرس بحال کیا تھا اور آپ ۶۰ سال تک وہاں پڑھاتے رہے۔ ایک مدت تک منظر اسلام کے شیخ الحدیث رہے۔ اعلیٰ حضرت کے کئی پشت کو پڑھایا ہے۔ ان کے لاتعداد شاگرد ہیں جو دنیا کے بہت سے ممالک میں اعلیٰ حضرت کے فیضان علمی سے لوگوں کو مالا مال کر رہے ہیں۔ چوتھی شخصیت اقبال حسین صاحب کی ہے وہ بھی اک زمانہ میں بریلی شریف پڑھنے تشریف لے گئے۔ وہ ایسے ولی کامل تھے کہ وہ جو کہہ دیتے تھے وہ ہو جاتا تھا۔ آپ کے علاوہ بریلی شریف سے فارغ

علما میں مشہور اسمائے گرامی ہیں۔ مولانا عبدالکریم صاحب، مولانا محمد رضا، مولانا عبدالعزیز، مولانا عزیز الرحمٰن صاحب، مولانا الطاف حسین صاحب، مولانا الیاس صاحب، مولانا مشتاق صاحب، مولانا مشتاق رضوی، مولانا سلیمان صاحب، موذن رفیق صاحب مولانا بدر الدین صدیقی، مولانا وصی احمد، مولانا مطیع الرحمٰن، مولانا عبدالصمد صاحب اور حفاظ وقراء کی بھی اچھی خاصی تعداد ہے۔ جو اکناف ہند میں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس بستی کو یہ بھی فخر حاصل ہے کہ حضرت علامہ مولانا قاری اطہر حسین جو آل انڈیا تبلیغ سیرت ممبئی کے جنرل سکریٹری کے عہدہ پر رہ کر صدام حسین کے دور میں ہندوستان کی مذہبی نمائندگی کی۔ ان کا کارنامہ ہے کہ ۲۶ ممالک کے وزارت داخلہ کے شعبہ میں فتاویٰ رضویہ کو داخل کروایا۔ عراق کی یونیورسیٹیوں میں ہندوستانی طلبا کا داخلہ منظور کروایا۔ آج درجنوں علماء وہاں سے فارغ ہوکر دین وسنیت کی خدمت ہند اور بیرون ہند کرتے نظر آرہے ہیں۔ حضرت علامہ مفتی قاضی شریعت اور مولانا فضل کریم صاحب بھی باتھ اصلی کے ٹولے فیض پور کے رہنے والے تھے، انہوں نے ادارہ شرعیہ کی روحانی علمی اور ملی تعمیر میں پوری زندگی صرف کردی۔ یہ تو مخصوص عمل ہیں جن کے خدمات بھلائی نہیں جاسکتی۔

سوال: شمالی بہار کا اکثر حصہ مشربی اعتبار سے سلسلہ رضویہ سے وابستہ ہے اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟

جواب: شمالی بہار کا اکثر حصہ مشربی اعتبار سے سلسلہ رضویہ سے اس لیے وابستہ ہے کہ اس علاقہ کو براہ راست اعلیٰ حضرت کے فیضان علمی، روحانی اور تبلیغی سرگرمیوں سے بہرہ ور ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس علاقہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ اعلیٰ حضرت کے خاندان سے کوئی نہ کوئی فرد ہر سال اور کبھی کبھی سال میں کئی مرتبہ تشریف ارزانی فرماتے رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خود اس علاقہ میں خدمت دین پر مامور فرما کر بھیجا ان کو دیکھنے کے بعد ہر زبان پر یہ شعر تھا ''تم سا نہیں ہے کوئی چمن روزگار میں۔ حضرت حجۃ الاسلام کے بعد مفسر اعظم ہند مولانا شاہ ابراھیم رضا خان جیلانی میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف لاتے رہے اور کبھی کبھی ایک ایک ماہ اس علاقہ کو اپنی خدمات سے سرفراز فرماتے رہے۔ ان کو دیکھنے والے یہ کہتے تھے ''ایسا کہاں سے لائیں کہ تم سا کہیں جسے'' سرکار مفتی اعظم عالم تشریف لائے اور اپنی فیض بخشی سے علاقہ کو بقعہ رشد وہدایت بنادیا ان کی زندگی کو دیکھنے والے کہتے ہیں:

ان کا سایہ اک تجلی ان کا نقش پا چراغ
یہ جدھر گذرے ادھر ہی روشنی ہوتی گئی

سوال: تاج الشریعہ ہمارے دور کی سب سے مقبول شخصیت ہیں عالم اسلام میں ان کا شہرہ ہے مگر کچھ حاسدین بھی ہیں جو فضا کو زہرآلود بنانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں آپ اس عمل کو کس نہج سے دیکھتے ہیں؟

جواب: آفاقی کام کرنے کے لئے ارادے کی قوت چاہئے۔ اجتہاد فکر چاہیے۔ فہم وذکا کا ذخیرہ چاہیے، اثر پذیری کی گہرائی چاہیے۔ مستقل مزاجی سے عمل کا تسلسل چاہیے۔ انفرادی خود غرضی کی جگہ جماعتی خدمت کا جذبہ چاہیے۔ عادتوں کو بصیرت میں بدلنے کی مشق چاہیے۔ جماعتی خدمت کو اپنی زندگی کا افتخار سمجھنا چاہیے تب جماعت کا کام روشن مینار کی شکل میں نظر آتا ہے۔ الحمدللہ ہمارے اکابر سارے صفات جلیلہ وجمیلہ سے مزین تھے۔ کام عروج پر تھا آج ہم میں اکابر کی بارگاہ کرم کے تربیت یافتہ موجود ہیں۔ تاج الشریعہ تو اکابر کی یادگار ہیں، آج ضرورت ہے کہ تاج الشریعہ کی قیادت میں کاروان اہلسنت کام کرے اس لئے کہ:

بزم ہستی میں ضروری ہے کوئی روح رواں
موج گل سے چراغاں ہے گزرگاہ خیال

اعلیٰ حضرت کے علوم وفنون کے وارث تاج الشریعہ قاضی القضاۃ فی الھند سیدی علامہ مفتی اختر رضا قادری کی وہ شخصیت ہے کہ آپ کے فتاویٰ چالیس (۴۰) رجسٹروں پر مشتمل ہیں، جس کا اشاعتی وطباعتی کام جاری ہے۔ فقہی تحقیقات وتصنیفات ۳۸ ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی خدمات دینیہ کا دائرہ پورے عالم سنیت میں پھیلا ہوا ہے۔ اس دور کے سب سے عظیم مفتی ہیں۔ مرجع العلما ہیں۔ روشن ضمیر پیر کامل ہیں اس لئے ہم سب مسلمانوں کو بریلی شریف کے فتاویٰ پر مکمل اعتماد ہے۔ اس کا اظہار بھی کرنا چاہیے اس لئے آج بھی وہ مرکز افتا ہے۔ جو دوسو سالوں سے عالم اسلام کا معتمد ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ جماعت اہل سنت کوئی بھی بڑا ان کا مخالف ہے، بعض سوالات کے ضمن میں ہم نے حضرت شیخ الاسلام

علامہ مدنی میاں مدظلہ العالی کی تحریروں میں بھی حضرت ازہری میاں کے لئے ''تاج الشریعہ'' کا لاحقہ دیکھا ہے یہ اس بات کی علامت ہے علم والے کی نگاہ میں ان کی اہمیت مسلم ہے۔ باقی رہے بعض متعصب علما و اہل خانقاہ تو اس سے کس دور میں کون سے عالم اور کون سے بزرگ محفوظ رہے ہیں۔ محسود ہونا ہی محبوب ہونے کی علامت ہے۔ جو قابل رشک ہے وہی حسد کا شکار بھی ہوتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ کرم میں ملتجی ہوں کہ حضور تاج الشریعہ کا سایہ کرم صحت وسلامتی کے ساتھ جملہ اہل سنت پہ قائم ودائم رہے۔

سوال: آپ نے اعلیٰ حضرت کئی تحقیقی کام کئے پہلی پی ایچ، ڈی بھی آپ ہی نے کی، کیا لگتا ہے رضویات پہ کام مکمل ہو گیا یا ابھی اور گوشہ باقی ہیں کس طرح اس کام کو آگے بڑھایا جائے؟

جواب: جہاں تک امام اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری پر کام کرنے کا تعلق ہے، الحمدللہ عالمی سطح پر اتنا ہو رہا ہے کہ کسی ایک شخصیت پر اتنا کام نہیں ہو رہا ہے۔ عالمی جامعات میں اعلیٰ حضرت پر کئی ممالک میں کام ہو رہا ہے اس کے علاوہ جتنے سنی صحیح العقیدہ دانشور علماء بھی اپنے اپنے طور پر کام کر رہے ہیں، مگر اک کمی جو ہمارے یہاں ہے کہ ہم اپنے کام کو دنیا کے کینوس پر پھیلا نہیں پاتے ہیں۔ ہمارے پاس جماعتی سطح کا کوئی دارُ المصنفین نہیں ہے اور نہ ان کارناموں کی اشاعت کے لیے کوئی مضبوط تنظیم ہے اور نہ اپنے کام کو دنیا کے ممالک میں پھیلانے کے لیے پلاننگ ہے اور دشمنان رضا نے اپنی عیاری سے جماعت کے اندر اور باہر خارجی اور داخلی زبردست انتشار پیدا کر دیا ہے۔ خواص اہلسنت انتشار کے سدباب کے لیے سرگرداں ہیں۔ ان شاء اللہ یہ انتشار کا بادل جلد ہی چھٹ جائے گا دشمن رضا کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ اس لئے کہ اعلیٰ حضرت نے جو کام کیا ہے، دین کے لیے کیا ہے، رسول پاک کی عظمت شان کے لیے کیا ہے۔ اس لئے جب تک شریعت رہے گی اعلیٰ حضرت کا نام رہے گا اور ان کا کارنامہ زندہ وتابندہ رہے گا۔

سوال: آج دین کے خلاف بغاوت کرنے والے افراد کچھ زیادہ ہی دیکھنے میں آرہے ہیں کچھ خانقاہیں اور کچھ نو وارد علما بھی اس مشن میں کسی خاص فرد کے آلہ کار ہیں، اسلاف کی قرآن وسنت کی روشنی میں کھینچی گئی لکیر کے خلاف آواز بلند کرنا جماعتی بغاوت سمجھا جا رہا ہے آپ اسے کس نگاہ سے دیکھتے ہیں؟

جواب: آج کے مادیت پرستانہ دور میں، بہت آسانی سے قلم اور دماغ کو خریدا جا سکتا ہے۔ اس لئے بکے ہوئے افراد کی کمی نہیں ہے اس کے علاوہ کچھ لوگ جذبہ خود پرستی میں دین پرستی کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور دین کے غیر متبدل قانون میں بھی ترمیم چاہتے ہیں اور کچھ لوگ حب علی میں نہیں، بغض معاویہ میں وہ کام کرتے ہیں جو نہیں کرنا چاہئے۔

اسلامی نقطہ نظر سے یہ بات یقین کے اجالے میں آگئی ہے کہ ضروریات دین کا منکر کافر ہے، تنقیص رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتکب خارج از اسلام ہے، چاہے وہ اہل قبلہ ہی کیوں نہ ہو۔ مطلقاً یہ کہنا کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں چاہے وہ کیسا ہی کفر صریح بک جائے، جھوٹا ہے اور اس کا یہ قول شریعت پر افترا ہے۔

شامی جلد چہارم صفحہ ۲۷۷ پر فرماتے ہیں لاخلاف فی کفر لمخالف ضروریات الاسلام وان کان اہل القبلۃ المواظب طول العمر علی الطاعات۔ ضروریات اسلام کے منکر کے کفر میں علمائے اسلام میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ وہ منکر، اہل قبلہ ہو جس کی پوری زندگی شریعت کی پابندی کرتے ہوئے گذری ہو۔ ہمارے اکابر فقہا نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''اگر اہل قبلہ منکر ضرورت دین ہے تو اس کی تکفیر واجب ہے۔ من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر۔ جو وہابیوں کی تکفیر اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے (خواہ وہ اہل قبلہ ہی کیوں نہ ہو) مدینہ منورہ کے منافقین نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر ہاتھ رکھ کر توحید ورسالت کا اقرار کیا اور اعلان کیا کہ ہم مسلمان ہیں اور اہل قبلہ ہیں اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔ تمام اسلامی امور انجام دیتے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ خود ان اہل قبلہ پر حکم کفر لگا رہا ہے اور فرماتا ہے قد کفر تم بعد ایمانکم اللہ تبارک وتعالیٰ کا قول ہمارے لئے کافی ہے اور غیر متبدل ہے۔ اس لئے سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پہ حکم کفر عائد فرمایا اور اپنی مسجد سے نکال دیا۔ اس لئے جو ضرورت دین کے منکر ہیں چاہے وہ کوئی ہوں ان سے رشتہ رکھنا بھی اسلام کے خلاف ہے۔

دشمن احمد پہ شدت کیجئے
ملحدوں کی کیا مروت کیجئے

ان کے سدباب کی کوشش تیز تر ہے۔ ہمارے عہد کے قلم کار مجاہدین میں حضرت مولانا ڈاکٹر غلام مصطفےٰ نجم القادری، حضرت مولانا خالد علی رضوی اور آپ مولانا امجد رضا مولانا قمر الزماں مصباحی جیسے حضرات کا اضافہ ہے اور خوشگوار اضافہ ہے۔ ان لوگوں نے آج کے بہکے ہوئے ماحول پہ اپنی نگاہ رکھی ہے اور اس پہ فورا اپنا احتسابی تلوار اٹھا لیتے ہیں اکابر کی روحیں ان سے خوش ہوتی ہوں گی کہ ہمارے اثاثہ کے تحفظ کے لئے ایک دستہ تیار ہے یقینا یہ لوگ ہمارا سرمایہ ہیں اللہ انہیں جملہ آفات سے محفوظ رکھے اور دونوں جہاں کی بھلائیاں عطا فرمائے۔

سوال: خانقاہیں رشد و ہدایت کا منبع رہی ہیں اور ہیں۔ مگر آج بعض خانقاہیں ایسی ہیں کہ وہاں سے رشد و ہدایت کے بجائے بدعت و ضلالت کا پیغام نشر ہو رہا ہے جس کا بڑا مرکز خانقاہ سراواں الہ آباد ہے۔ آخر اس ایمان شکن تبدیلی کی وجہ کیا ہو سکتی ہے اور اس کا تدارک کیسے کیا جائے؟

جواب: آج کے دور کے تناظر میں جن فتنوں کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے، اس کی بہت ساری وجہیں ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ خانقاہوں میں عام طور پر سجادگی نہیں الا ماشاء اللہ بس مجاوری ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ رشد و ہدایت کا مرکز اب کھانے کمانے کا مرکز بن گیا ہے، تو آمدنی کے ذرائع کو بڑھانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس قسم کی حرکت کریں۔ صوفیہ کے نظریہ وسعت کا مقصد تھا اپنے دین میں داخل کرنا اور ان کا مقصد ہے جلب منفعت، شہرت و ناموری۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو یہ اپنے پیشے میں کامیاب کیسے رہیں گے؟ اور جس خانقاہ کا آپ نے نام لیا ہے یہ تو بالکل نو پید ہے اور اس کے شیخ بھی فکری آوارگی کے شکار۔ ہم نے یہاں سے شائع ہونے والے چند رسائل اور کتابیں دیکھی ہیں اگر قاری اپنے عقیدہ میں متصلب نہ ہو تو گمراہ ہونا یقینی ہے۔ یہی رسالہ ہے جہاں لکھنے والوں میں ایسا تنوع ہے کہ مسلک اور غیر مسلک کا امتیاز بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ اب ایسے میں قاری ہر مضمون نگار کو اپنا سمجھے گا اور اس کے مضمون کو اپنے عقیدہ کے مطابق۔ پھر گمرہی کے آنے کا اور کون سا راستہ ہے؟

اب رہ گیا اس فتنے سے نپٹنا تو اس کے لیے ان سے رابطہ کرنا ان کا اپنا خانقاہی منہج دکھانا اور اسلاف کے تابندہ نقوش دکھانا ہوگا تا کہ یہ اپنے اسلاف اور اپنے گھر کے بزرگوں کا دشمنوں کا آلہ کار نہ بن جائیں۔ اور اگر اس عمل میں ان کی سادہ لوحی نہیں ان کا مشن کام کر رہا ہے تو پھر ان سے اللہ بچائے۔ دین میں اتنی توسع جو دین کی بنیاد ہلا دے قابل قبول نہیں۔ اہل خانقاہ کو بھی اس حقیقت کو سمجھنا ہوگا ان کی تساہلی نے کتنے علاقے دشمنوں کے حوالے کر دئے آخر ہمارے ہی ایک طبقہ نے دشمنان نبی کے لئے اجمیر کے علاقہ میں دو سو بگہہ زمین ان کی سرگرمیوں کا مرکز بنانے کے لیے دیدیں اور بیالیس مساجد ان کی تبلیغ کے لئے دے دیں۔ معاذ اللہ رب العالمین۔ اب اس مرکز سے نہ دینی تصلب باقی رہے گا اور نہ خانقاہوں کے معمولات۔ پھر بعد میں آنسو بہانے سے بھی کیا حاصل:

سب کچھ لٹا کے ہوش میں آئے تو کیا کیا

سوال: ۱۰۔ ۱۴۴۰ھ میں جشن صد سالہ امام احمد رضا منایا جانا ہے جس کی تیاریاں برصغیر میں زوروں پر ہے آپ اس سلسلہ کیا مشورہ دینا چاہیں گے؟

جواب: اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کے جشن صد سالہ کے موقع پر پہلا کام تو یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت نے جتنے فنون میں کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، ان کے ہر فن پر ایک جامع دستاویز تیار کر کے علم و دانش کی دنیا ایک خوش گوار اضافہ کریں۔ دوسرا کام یہ ہے کہ ان ساری کتابوں کو فن کے اعتبار سے مرتب کریں۔ ہر کاؤنٹر پر اس فن کے ماہر کو متعین کریں اور "صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے" جو چاہے اعلیٰ حضرت کو پڑھے، سمجھے، سوال کرے اور اس کا بھرپور جواب دیا جائے۔ اس کو عالمی سطح پر کیا جائے تا کہ دور دور تک اس روشنی کے اثرات پھیلیں اور اندھیروں کا وجد ختم ہو جائے۔

سوال: ۱۱۔ الرضا کے قارئین کے لئے کوئی پیغام؟

جواب: "الرضا" جماعت اہلسنت کا آرگن ہے۔ یہ ہمارے دل کی دھڑکن ہے۔ اللہ آپ کی کاوشوں کو اوج ثریا تک پہونچائے۔ میں "الرضا" کے ذریعہ قارئین کو یہ پیغام دینا چاہوں گا کہ آج انتشار کو دور کرنے کے لیے جتنی خانقاہیں اہلسنت و جماعت کی ہیں وہ سب قابل تعظیم ہیں ان کی تعظیم کریں۔ ان کی عظمت کو دل میں بٹھائیں اور بریلی شریف کو مرکز اہلسنت سمجھیں تا کہ کوئی ٹکراؤ نہ ہو۔ ٹکراؤ اس وقت ہوگا جب یہ بھی خانقاہ کی طرح مانی جائے۔ ان شاء اللہ انتشار دور ہو جائے گا۔

مشکلات حدائق بخشش

کلام رضا کی تشریحات کا ایمان افروز سلسلہ

پروفیسر سید شاہ طلحہ رضوی برق

امام احمد رضا جملہ علوم وفنون کے امام ہیں یہ محققین کا متفقہ فیصلہ ہے۔ شعروادب میں بھی انہیں جو ملکہ بلکہ تفرد حاصل ہے وہ بھی اپنی جگہ مسلم ہے۔ علم وادب کے پارکھ نے اس موضوع پہ بہت کچھ لکھا ہے۔ جن میں ایک نمایاں نام حضرت پروفیسر سید شاہ طلحہ رضوی برق صاحب کا بھی ہے۔ ان کے مضامین کے دو مجموعے میں امام احمد رضا پہ لکھے گئے مقالے شامل ہیں، جن کی بڑی پذیرائی ہوئی۔ الرضا کے اس شمارہ سے امام شعروادب کے مجموعہ کلام ''حدائق بخشش'' کے مشکل اشعار کی تشریحات کا سلسلہ شروع کیا جارہا ہے اس میں ہندو پاک کے ممتاز مقبول ومستند صاحبان فن کی تشریحات شائع کی جائیں گی۔ مجھے یقین اس سے جہاں قارئین کو مضامین مین تنوع کا احساس ہوگا وہیں الرضا کے مشکل اشعار کی تشریح سے بھی وہ محظوظ ہوسکیں گے۔ اس شمارہ میں حضرت سید شاہ ڈاکٹر طلحہ رضوی برق صاحب مدظلہ کی خدمات حاصل کی گئی ہیں ہم ان کے شکریہ کے ساتھ ان کی تشریحات یہاں شائع کررہے ہیں۔ انشااللہ یہ سلسلہ ان کے ساتھ بھی دراز رہے گا۔ قارئین اپنے تاثرات میں اس کالم کی افادیت اور اس کی تشریحات کے حوالہ سے اپنے احساسات ضرور لکھیں: ادارہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ اردو کی نعتیہ شاعری میں اپنا مدمقابل نہیں رکھتے۔ بایں معنی کہ دہلی وبالخصوص لکھنو کی دبستانی خصوصیات پر بھی جتنی گہری نظر آپ کی ہے اور شریعت مطہرہ کی روشنی میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب ومحاسن لاتعد ولاتحصی پر جیسی نگاہ موصوف کی ہے پھر زبان وبیان کی جو خوبیاں انہیں قدرت نے عطا کی ہیں وہ کہیں اور نہیں ملتیں۔

عزیزم ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ نے حضرت رضا بریلوی کے سات نعتیہ اشعار پیش کر کے مجھ سے ان کی تشریحات طلب کی ہیں۔ یہ فقیر بے بضاعت وکم سواد، خود نظری ہے۔ اہل نظر کیا ہوگا؟ تاہم ان کی فرمائش پر اپنی ناقص فہم کے اظہار بالاختصار کی جرأت کرتا ہے۔

جن سات اشعار کے حوالہ سے تشریحات طلب کی گئی ہیں وہ جناب رضا کی اس نعت سے ماخوذ ہیں جن میں اشعار کی تعداد بشمول مطلع ومقطع ۲۲ رہے ماخوذ اشعار حدائق بخشش میں شامل نعت کی ترتیب سے نمبرواریوں ہیں۔ ۸، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۸، ۲۱، اور ۵۔

غزل کی ایک خصوصیت، بظاہر اشعار کی ایک دوسرے سے معنوی بے ربطی اور انتشار مضامین ہے۔ مگر غزل کی ہیئت میں جب نعت رسول لکھی جائے تو وہ حسن موضوع پر پیش نظر ارتباط معنوی، ایک تسلسل فکری اور ایک مخصوص پاکیزہ خیالی کی فضا لئے ہوتی ہے۔ شمع فکر وخیال کی روشن کرنیں مختلف سمتوں میں پھوٹتی بکھرتی ہیں۔ لیکن تقدیس تخیل اور طہارت تصور کی فضا نہیں بدلتی۔ حضرت رضا نعت لکھتے وقت زبان وادب کی زمین پر قدم رنجہ رہتے ہوئے آسمان فکر وخیال پر جذبۂ صادق عشق رسول کے ساتھ ذہن پرواز کرتے ہیں ------ پیش نظر نعت جو اصلاً ۲۲ راشعار پر مشتمل ہے اور اس مطلع سے شروع ہوتی ہے

محمد مظہر کامل ہے حق کی شان عزت کا
نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا

پہلی بات تو یہ کہ حضرت رضا کی نعتیں بالعموم حشو و زوائد سے یکسر پاک ہوتی ہیں اور اپنے عقائد و ایمان کے ساتھ وہ ایک ایک لفظ، پوری دیانت اور ذمہ داری کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔

دنیا کی کوئی کتاب قرآن ہو نہیں سکتی کہ قرآن آسمانی اور وحی الٰہی ہے اور عیب و غلط سے پاک و منزہ۔ حدائق بخشش کے اشعار میں زبان و فن کی خامیاں بظاہر ابتک تو نظر نہیں آتی ہیں۔ ہاں! گنجینۂ معنی کی طلسم کاریوں کو میری نگاہ نارسا اور فہم خام سمجھنے سے قاصر ہو تو اس میں قصور اپنا ہے۔

بہر حال میں ایک کمزوری سی کوشش کرتا ہوں کہ ان اشعار کی تشریح کرسکوں۔ باخبر و اہل علم حضرات مجھ کم سواد کی اصلاح ضرور فرمائیں۔

نہ رکھی گل کے جوش حسن نے گلشن میں جا باقی
چٹکتا پھر کہاں غنچہ کوئی باغ رسالت کا

حدائق بخشش کی مکمل نعت کو پڑھ کر جو تاثر قائم ہوتا ہے اس Totel effect کے تحت ہر شعر ایک مخصوص پاکیزہ فکری آہنگ کا معنوی تال اور سر ہے۔ درج بالا شعر میں کہا گیا ہے کہ اس گلشن دنیا میں باغ رسالت کے آخری گل کے جوش حسن (اجتماع محاسن اتممت علیکم نعمتی) نے یہ گنجائش ہی باقی نہ رکھی کہ اب کوئی دوسرا گل رعنائی بہار دکھائے۔ باغ رسالت کے اس گل سر سبز پر اکملت لکم دینکم کی شبنم تراوش کررہی ہے۔ یہ پھول اس رعنائی لازوال اور حسن بے بہار کا حامل ہے کہ اب کوئی غنچہ چٹکنے کو باقی ہی نہ رہا۔ اب تو باغ رسالت کے اس گل شاداب ازلی و ابدی پر خاتم النبیین کی مہر لگ چکی۔ یہ شعر رعایت لفظی، حسن معنی اور شعریت کی خوبصورت مثال ہے۔

اصل نعت میں مذکورہ شعر کے بعد دو اشعار کے فصل سے یہ شعر آتا ہے۔

سکھایا ہے یہ کس گستاخ نے آئینہ کو یارب
نظارہ روئے جاناں کا بہانہ کرکے حیرت کا

علامہ رضا بریلوی کے اشعار پڑھ کے حیرت ہوتی ہے کہ اتنا مشغول تر عالم دین اور اتنا مصروف ترین مفتی دین متین اردو فارسی ادب کی بہترین اقدار اور شعری روایات کا کیسا امین اور کتنا پاسدار ہے۔

اردو فارسی شاعری کے مسلمات، اپنا ایک خاص روایتی و تاریخی پس منظر رکھتے ہیں۔ ان سے بے خبر اور لاتعلق رہ کر ان اساتذۂ فن کے فکری شہپاروں کا سمجھنا آسان نہیں۔ آئینہ، سکندر، حیرت، تجلی وغیرہ الفاظ اپنے ساتھ ایک معنوی و فکری دائرہ رکھتے ہیں۔ مثالاً اردو کے دو اشعار ملاحظہ ہوں۔

حیرتی ہے یہ آئینہ کس کا
منہ تکاہی کرے ہے جس تس کا

تاب نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں
اور بن جائیں گے تصویر جو حیران ہوں گے

آنکھ ہو تو آئینہ خانہ ہے دہر
منہ نظر آتا ہے دیواروں کے بیچ

آئینہ کو حیرتی کہنا دراصل آئینہ دیکھنے والے کی حیرت کا اظہار ہے۔ درج بالا دوسرا شعر اس خیال کی ارتقائی شکل ہے۔ آئینہ تو آئینہ ہے آنکھ ہو تو دیواروں کے بیچ منہ نظر آنے لگے۔" آئینہ کی اس معنی خیزی کو فارسی کے اس شعر میں دیکھئے۔

درپس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استاد ازل گفت ہمہ می گویم

بہر طور طول تمہید سے گریز کرتے ہوئے آمدم برسر مطلب، مدنظر شعر میں ایک سوال ہے کہ یارب آئینہ کو کس گستاخ نے سکھایا ہے کہ حیرت کو بہانہ کرکے روئے جاناں کا نظارہ ٹکٹکی باندھے کرتا رہے۔

چونکہ شعر نعت کا ہے اس لئے فکر و نظر کو بڑی دقت درپیش ہے۔ شاعر کا سوال رب سے ہے مگر یہ نہ سمجھئے کہ رب تعالیٰ کے حضور شاعر کھڑا سوالی ہے بلکہ یہ زبان کا وہ عام انداز ہے جسے انسان کسی پریشانی میں کہہ اٹھتا ہے، یا اللہ میں کیا کروں؟ یا اللہ یہ چیز کون لے گیا؟ اس شعر کو اصل نعت میں ماقبل و مابعد کے اشعار کے ساتھ پڑھ کے سمجھنا ہوگا۔ اس شعر سے قبل کا شعر ملاحظہ ہو۔

صنف ماتم اٹھے خالی ہو زنداں ٹوٹیں زنجیریں
گنہگارو چلو مولیٰ نے در کھولا ہے جنت کا

اور بعد کا شعر یہ ہے۔

ادھر امت کی حسرت پر ادھر خالق کی رحمت پر
نرالا طور ہوگا گردشِ چشم شفاعت کا

مولیٰ نے جنت کا در کھولا ہے، گنہگاروں کی زنجیریں ٹوٹی ہیں، اس صورت حال میں شفیع روز محشر کے روئے انور کی زیارت، آئینۂ چشم و دل حیرت زدہ کی حیرت سامانی پر دال ہے۔ اب ایسی صورت حال میں اس نعمت عظمیٰ کی حیرت بداماں دید پیہم ایک جرأت رندانہ سے کم نہیں، اور ظاہر ہے کہ انداز گستاخانہ اس شوق والہانہ اور عشق بے تابانہ کا ثمرہ ہے جو گردش چشم شفاعت کے نرالے طور کا بے صبرانہ منتظر تھا۔

اس شعر کے بعد تین مسلسل اشعار اور ہیں، ان کے بعد یہ شعر ہے۔ ؎

مدد اے جوشش گریہ بہادے کوہ اور صحرا
نظر آجائے جلوہ بے حجاب اس پاک تربت کا

مخبر صادق کی پیشگوئیوں کی روشنی میں جناب رضا اس دن کا تصور کرتے ہوئے نعت پڑھتے ہیں۔ اس شعر سے پہلے ایک اور لطیف شعر ہے اسے بھی پڑھ کے لطف اندوز ہوئیے۔

خم زلف نبی ساجد ہے محراب دوابرو میں
کہ یارب تو ہی والی ہے سیہ کاران امت کا

اس شعر کے جہان معنی سے قطع نظر، صرف لفظی اور شعری محاسن کے رسیا بھی رضا کی شعری فنکاری کی داد دیئے بغیر نہیں رہیں گے۔ بہر حال اس حسن تصور کی شدت تاثر نے شاعر پر گریہ طاری کردیا ہے اور اس حال میں جوشش گریہ سے مدد کے خواہاں ہیں کہ وہ کوہ اور صحرا تک کو بہادے، وہ کوہ اور صحرا جو تصور طیبہ کے درمیان حائل ہیں، مراد یہ ہے کہ اشکوں کی روانی قلب مشتاق کو اتنا مصفیٰ و مجلیٰ کردے کہ اس آئینے میں ان کی پاک تربت کا جلوہ بے حجاب نظر آجائے اور شاعر من زار قبری وجبت لہ شفاعتی کا سزاوار ٹھہرے۔

پھر یہ شعر ہے ؎

ہوئے کم خوابی ہجراں میں ساتوں پردے کمخوابی
تصور خوب باندھا آنکھوں نے استار تربت کا

کہتے ہیں روضۂ اقدس میں قبر انور کے گرد سات پردے لگائے ہوئے ہیں۔ مگر ہم مقدس جالی سے صرف ایک منقش پردے کی ہی زیارت کر پاتے ہیں۔ اس شعر میں شاعر کا کہنا ہے کہ حضور کے ہجر میں راتیں جاگتے کٹتی ہیں۔ اس کمخوابی ہجراں نے آنکھوں کی ان کے تصور میں بند ہونے کا سلیقہ سکھا دیا ہے اب دن رات آنکھ بند ہیں اور اس پاک روضے اور اس کے اندر کی منور و معطر فضا کا تصور بندھا ہے، مزار اقدس کے گرد پردوں کی زیارت اب محض چشم تصور سے ہے جو انہیں اطلسی و حریری نہیں بلکہ کمخوابی بنتے نظر آرہے ہیں۔ شعر میں رعایت لفظی کا حسن دلکش ہے۔

ایک معنوی تسلسل کے ساتھ یہ شعر مابعد کے شعر سے مربوط ہے اور وہ شعر یہ ہے۔

یقیں ہے وقت جلوہ لغزشیں پائے نگہ پائے
ملے جوش صفائے جسم سے پابوس حضرت کا

شاعر ایک دوسرے تصور میں کھو جاتا ہے کہ جب وہ جلوہ فرمائیں گے تو یقین ہے کہ میری نگاہ لغزش کر جائے یعنی پائے نگاہ کو لغزش ہو۔ لغزیدن کا تعلق پا سے ہی ہے۔ "پائے نگہ پائے" میں پائے کی تکرار ایک صوتی حسن پیدا کر رہی ہے۔ شاعر فن شعر کے حسن و صنائع کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتا اور اپنے پاکیزہ تر جمال تصور کو بھی آشکارا کرنا چاہتا ہے۔

جوش صفائے جسم جس سے نگہ کو تاب نظارا مشکل اور روئے جاناں پر نظر کرنا تو آداب واحترام کے سوا ہوگا، لہذا حضرت کا پابوس ہی بڑی نعمت ٹھہری۔ پائے نگہ پائے کی رعایت سے بھی "پابوس" شعری حسن کا حامل ہے۔

یعنی وقت جلوہ پائے نگہ کو لغزشیں بھی ہوں تو یقین ہے کہ لڑکھڑاتے ہوئے حضرت کے قدموں سے ہی لگ جائے اور شرف پابوس سے مفتخر ہو، کہ جوش صفائے جسم سے چکا چوند نظر کف پائے اقدس پہ ٹھہر جائے۔

باقی آئندہ-----

☆☆☆

ماہنامہ تحفہ حنفیہ

اور تذکرہ امام احمد رضا ایک نظم کے حوالہ سے

ڈاکٹر محمد امجد رضا امجدؔ: قاضی شریعت مرکزی ادارہ شرعیہ پٹنہ بہار

یادش بخیر! عہد رضا میں فکر رضا کا ایک بے باک ترجمان ''ماہنامہ تحفہ حنفیہ'' بھی ہوا کرتا تھا جو بہار کی راجدھانی پٹنہ سے نکلتا تھا۔ ۱۳۱۵ھ میں اسے خانقاہ معظم بہار شریف کے صاحب سجادہ جنابحضور شاہ امین احمد فردوسی علیہ الرحمہ کے مرید اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے خلیفہ ومجاز حضرت مولانا قاضی عبد الوحید فردوسی علیہ الرحمہ نے جاری کیا تھا۔ یہ رسالہ تقریبا ۱۲ رسال یعنی ۱۳۱۵ھ سے قاضی صاحب کے انتقال پرملال ۱۳۲۶ھ کے کچھ بعد تک بڑے طمطراق اور مجاہدانہ کروفر کے ساتھ جاری وساری رہا۔ اس درمیان اس رسالہ نے دین وسنت کی جو آبیاری کی اور احقاق مذہب حق اور ابطال باطل میں جو کارہائے نمایاں انجام دئے اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

ماہنامہ ''تحفۂ حنفیہ'' فکر رضا کا پہلا اور بے باک ترجمان تھا جس نے اپنے متنوع موضوعات جیسے ردندوہ، ردغیر مقلدین، ردقادیانیت، ردنیچریت، ردفرنگیت، ردشیعیت، اشاعت فتاوی، اشاعت کتب (قسط وار) نعت ومناقب، معاصر اخبارات پر ضروری تنقید، تبصرے، خطوط، اشتہار کتب، سوانح، ملی خبریں، مختلف اجلاس، اور مجلس اہل سنت کی روداد وغیرہ کے ذریعہ جماعت اہل سنت کو استحکام بخشا اور عقائد باطلہ کی تردید واصلاح مفاسد میں تاریخی کارنامے انجام دئے۔

تحفہ کے بانی جناب قاضی صاحب قبلہ ایک جواں سال عالم دین، قادرالکلام شاعر، تبلیغ سنت کے جذبہ سے سرشار مبلغ اور تردید عقائد باطلہ میں بے باک وکامیاب مجاہد تھے، وہ عظیم آباد کے روسا میں شمار ہوتے تھے مگر دل سالکوں والا پایا تھا، اس اللہ کے بندے نے دین متین کی خدمت کے لئے اپنے خزانوں کے منھ کھول دئے اور تنہا اپنے جذبہ وحوصلہ پر نہ صرف ماہنامہ ''تحفہ حنفیہ'' جاری کیا، بلکہ ''مدرسہ اہل سنت'' اور ''مطبع حنفیہ'' پٹنہ قائم فرما کر جماعت اہل سنت کے فروغ واستحکام میں سہ طرفہ تقویت پہنچائی۔ ان کے ایثار پسندانہ عمل ہی کا نتیجہ تھا کہ بہار میں جماعت اہل سنت نے ندویت وصلح کلیت کے طوفان بلاخیز کا کامیاب مقابلہ کیا اور بہار کے علماومشائخ ندوہ کی زد میں آنے کے بجائے ان کے خلاف صف آرا ہوئے۔ قاضی صاحب نے صرف ۳۶ رسال کے قریب عمر پائی مگر وہ کام کر گئے کہ جماعت اہل سنت ان کے احسانات کو کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔

سرکار اعلیٰ حضرت نے ان کی اس دینی حمیت، جوش ایمانی اور جذبہ استیصال بدعات پر انہیں خوب نوازا، ان کے لئے ''ندوہ شکن، ندوی فگن'' جیسے القابات استعمال فرمائے، مدرسہ کے سالانہ اجلاس میں تشریف لے گئے اور ان کے مرض وصال میں دو روز پہلے پٹنہ پہنچ کر ان کی تیمارداری کی، انتقال کے بعد ان کی تجہیز وتکفین میں حصہ لیا اور اپنے ہاتھوں سے انہیں لحد میں اتارا، جنازہ کے ہمراہ چلتے ہوئے ان کی شان میں عربی اشعار کہے۔

قاضی صاحب واقعی خوش قسمت تھے کہ ان کی دولت ان کے لئے صدقہ جاریہ بن گئی، انہوں نے علماومشائخ اہل سنت کے دلوں میں جگہ پائی اور زمانہ کا مجدد فقیہہ عارف اور قطب الاقطاب ان کے جنازہ میں شریک ہی نہ ہوا بلکہ خود لحد میں اتر کر انہیں اپنے ہاتھوں سے

لحد میں اتارا اور چہرہ کھول کر لوگوں کو دکھاتے ہوئے فرمایا" دیکھئے ایسے ہوتے ہیں اہل ایمان اور اللہ والوں کے چہرے۔" ع

آسماں ان کی لحد پہ شبنم افشانی کرے

حضرت قاضی صاحب کے مدرسہ، ان کے رسالہ اور ان کے مطبع سے اعلیٰ حضرت سرکار کا جو رشتہ ہے وہ اتنا آفاقی اور تاریخی نوعیت کا ہے کہ اسے چند صفحات میں سمیٹا ہی نہیں جا سکتا۔ ان کے مطبع سے اعلیٰ حضرت کی تقریبا ۳۳ ر کتابیں شائع ہوئیں، تحفہ حنفیہ میں ان کے فتاویٰ، قسط وار رسائل اور ان کی کتابوں کے اعلانات واشتہارات شائع ہوئے، ان کی تحریکات کو تقویت یہیں سے فراہم ہوئی بلکہ بہار میں ان کی شخصیت ان کے کارنامے اور ان کے عزائم ومنصوبے کو یہیں سے شہرت ملی۔ مدرسہ حنفیہ کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۳۱۸ھ جس میں خانقاہ معظم بہار شریف کے صاحب سجادہ جناب حضور شاہ امین احمد امین احمد فردوسی، تاج الفحول مولانا شاہ عبد القادر بدایونی، حضرت محدث سورتی اور دیگر سینکڑوں نامور علما موجود تھے اعلیٰ حضرت قبلہ کو "مجدد مأۃ حاضرہ" کہا گیا اور پھر ہر شمارہ میں کسی نہ کسی مضمون اعلان اشتہار وغیرہ میں ان کی مجددیت کا اعلان کیا جاتا رہا، قاضی صاحب کے اس عمل سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کو اعلیٰ حضرت قبلہ سے کتنی محبت تھی، وہ اعلیٰ حضرت کو کس نگاہ سے دیکھتے تھے اور تصانیف رضا کی اشاعت کے معاملہ میں وہ کتنے حساس اور کوشاں تھے۔

تحفہ حنفیہ علمی اعتبار سے بہت ہی معیاری رسالہ تھا۔ اس کے موضوعات میں تنوع اور زبان سہل وشستہ تھی، اسے ملک کے اکابر علماء ومشائخ کی سرپرستی اور ان کا قلمی تعاون حاصل تھا، مجدد عصر امام احمد رضا کی کتابیں، فتاویٰ اور نعتوں کی اشاعت کے علاوہ تاج الفحول حضرت مولانا عبد القادر بدایونی، صدر مجلس اہل سنت مولانا شاہ عبد الصمد شہسوانی، مولانا وصی احمد محدث سورتی، حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خان، مفتی عمر الدین ہزاروی، ملک العلما مولانا ظفر الدین رضوی، مولانا شاہ سلامت اللہ، مولانا نذیر احمد، مولانا عبد الواحد رامپوری، مولانا یونس علوی وغیرہ کی کتابیں یا مضامین اکثر شامل ہوتے تھے جبکہ بہار کے قلم کاروں میں حضرت شاہ بدر الدین پھلواروی، شاہ اکبر دانا پوری، شاہ محسن دانا پوری، مولانا عبد الرحمٰن محیٰ، مولانا قاضی عبد الوحید فردوسی وغیرہ کی کتابیں اور مضامین بھی تسلسل سے شائع ہوتے تھے۔

تحفہ حنفیہ میں امام احمد رضا کا ذکر کئی جہتوں سے ہے اور بار بار بلکہ ہر شمارہ میں ہے کبھی فتاویٰ، رسائل اور نعتوں کی اشاعت کے سلسلہ میں کبھی مجلس اہل سنت بریلی پٹنہ امرتسر اور بنارس کے سلسلہ میں، کبھی مسئلہ اذان ثانی اور صلح کلیت کی تردید واصلاح کے تناظر میں یعنی ؎

ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے ساغر ومینا کہے بغیر

کی طرح ہر شمارہ میں کسی نہ کسی حوالہ سے ان کا ذکر ضرور ملتا ہے، اس سے صاف واضح ہے کہ اعلیٰ حضرت کی شخصیت اس دور میں ہی سنیت کی حجت اور دین حق کی علامت کے طور پر تسلیم کی جا چکی تھی۔

تحفہ حنفیہ اور ذکر امام احمد رضا بڑا وسیع اور پھیلا ہوا عنوان ہے اسے چند صفحات میں سمیٹا نہیں جا سکتا ان شاء اللہ اس حوالہ سے ایک مستقل کتاب جلد ہی پیش کی جائے گی۔ یہاں تمہید کے طور پر صرف ایک نظم کا تذکرہ ملاحظہ کریں اس سے اندازہ ہوگا کہ عہد امام احمد رضا میں ان کی عظمت کا کس کس انداز میں اظہار ہوتا رہا ہے۔ مولانا ضیاالدین ہمدم پیلی بھیتی تحفہ حنفیہ کے مدیر تھے، صاحب علم اور قادر الکلام شاعر تھے تحفہ میں ان کی بھی کئی منظوم کتابیں شائع ہوئیں ان میں ایک نظم "منظم ہدیہ تحسین" بھی ہے جو ۱۳۲۲ھ میں شائع ہوئی، اس نظم سے جہاں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی عظمت کا اظہار ہو رہا ہے وہیں شاعر کی علمی عظمت اور شاعرانہ قدرت کا بھی احساس ہوتا ہے، تمہید کے اشعار میں انہوں کس طرح اعلیٰ حضرت کی عظمت بیان کی ہے ملاحظہ کریں

میرا احمد رضا ہے سب میں یکتا — مفرد ہے وہ احمد کی رضا کا
محدد ہے جہات ارتقا کا — محدد ہے گروہ اشقیا کا
مسدد ہے طریق اہتدا کا — مشدد ہے سبیل اقتدا کا
مجدد ہے وہ اس چودہ صدی کا — مؤید ہے وہ شرع احمدی کا
مفرج اہل سنت ہے بلا کا — مخرج ہے فنون اصطفا کا
مروج سنت خیر الوریٰ کا — معوج پشتہائے اغویا کا
مقلد ہے وہ نعمان صفی کا — وہ شیدائی ہے "فرزند نبی" کا

ذیل کے اشعار میں اعلیٰ حضرت کو کن کن القابات سے یاد کیا ہے

ملاحظہ کریں۔

وہ ہے سلطان رد اہل بدعت
وہ ہے تاج سرانِ اہل سنت

وہ ہے سحبان اقلیم معانی
تصدق جس پہ ہے جادو بیانی

وہ ہے مہر سپر حسن تحقیق
وہ ہے بدر منیر برج تدقیق

ہے علم نقلی و عقلی پہ حاوی
نہیں ہے ہند میں اس کا مساوی

قلم میں زور ہے اس کے بلا کا
نمونہ قوت شیر خدا کا

شفا پاتے مریضان جہاں ہیں
عیاں اس سے اشارات نہاں ہیں

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے فتاویٰ رضویہ کے خطبہ میں فقہی کتابوں کے نام اس طرح استعمال کئے کہ وہ اسما خطبہ کا معنوی حصہ بن کر حمد نعت منقبت سلام سبھی بن گئے مولانا ضیا الدین ہمدم نے بھی اس نظم میں اعلیٰ حضرت کی زبان بیان قلم تصنیف تالیف کا ذکر ان کتابوں کے حوالوں سے اس طرح کیا ہے کہ وہ اعلیٰ حضرت کی علمی عظمت کا حصہ بن گئے ہیں۔

مسائل کا بیاں ہے در مختار
ضلالت کا ہے بطلاں رد محتار

ہر اک تصنیف ہے اس کی ہدایہ
ہر اک تالیف ہے اس کی کفایہ

وہ ہے بحر محیط علم و ہر فن
زباں غیرت دہِ صد برگ سوسن

بیاں ہے اس کا یا کنز دقائق
مطالب ہیں کہ رشک بحر رائق

ہر اک تقریر ہے مطلب کو وافی
جو مضموں لکھ دیا بس ہے وہ کافی

وہ مفتاح علوم شرع و دیں ہے
وہ مصباح ظلام اہل کیں ہے

بیاں اس کا ہے ایضاح معانی
تصدق جس پہ ہے گوہر فشانی

عرب اس کی بلاغت کا ثنا خواں
عجم اس کی فصاحت پر ہے قرباں

بیاں مختصر الفاظ مجمل
مطول معنی و مطلب مفصل

عجب تنقیح میں اس کی ہے توضیح
عجب تصریح میں اس کی ہے تلویح

ہر اک توضیح میں ہیں وہ زیادات
کہ جس سے فیض کے ظاہر کرامات

اگر تفسیر میں اس کا بیاں ہے
کمال اتقان کا اس سے عیاں ہے

غوامض میں ہے اس کا ذہن کشاف
رموز اسرار اس کے حل کے وصاف

سوال اہل بدعت میں جلالین
جواب اہل باطل میں کمالین

ہیں جتنے اہل باطل کے مواقف
وہ ان کے سب مقاصد سے ہے واقف

معالم اس کے افزوں ہیں بیاں سے
مدارک اس کے بیروں ہیں نشاں سے

غرض ہر علم میں ہے بحر مواج
تمام اطراف میں ہیں جس کے امواج

احادیث اس کے وہ حصن حصیں ہیں
مشارق نور کے جس میں مکیں ہیں

ہے سینہ اس کا مشکوٰۃ مصابیح
دل روشن کے ہاتھوں میں مفاتیح

مدام اس کی رکھے حق خیر جاری
کہ ہے اسلام کا ابر بہاری

ذیل کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ ''گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں'' کی دھوم صرف آج نہیں ان کے زمانہ سے ہے یہ اعتراف عامی کی نہیں ایک جید عالم کی ہے اشعار ملاحظہ کریں۔

جدھر دیکھو ادھر ہے جلوہ فرما
یہی نور افگن اقلیم برھما

ہوا اس رنگ سے رنگوں رنگیں
خجالت بخش نقش کشور چیں

ہمیں گوید در ینجا اہل ادراک
چہ نسبت خاک را با عالم پاک

برائے پر تگیز امن و امان است
بہ جسم مخلص دیں ہمچو جان است

تمامی اہل ''افریقہ'' ہیں منصور
ہر اک ''آسام'' والا اس کا مشکور

خصوصا وہ گرامی خطہ پاک
جہاں پیدا ہوئے ہیں شاہ لولاک

وہاں کے علم والے اے برادر
بناتے ہیں اسے آنکھوں کا اختر

غرض ہر ملک اس سے بہرہ ور ہے
ہر اک اقلیم میں یہ نامور ہے

اس طویل نظم کا یہ حصہ بھی ملاحظہ کیجئے جس میں یہ اظہار ہے کہ امام احمد رضا کے علم و فضل کی خوشبو سارے عالم میں پھیلی اور اس سے ایک جہان علم فیضیاب و معطر ہوا، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ جہاں نعمت ہوتی ہے وہاں حسد بھی بال و پر پسار ہی لیتا ہے اعلیٰ حضرت کی اس علمی برتری کے باوجود ان کے حاسدین کی بھی کمی نہیں تھی، بہر حال مولانا ضیا الدین ہمدم کے اشعار اس حوالہ سے ملاحظہ کریں فرماتے ہیں

بریلی کے گلستاں کی ہے خوشبو
مہکتی ہے تمام عالم میں ہر سو

اسی گلشن سے نکلا وہ گل تر
کیا جس نے جہاں سارا معطر

اسی گلشن سے ہے وہ گل خراماں
بھرے ہیں دوستوں کے جس سے داماں

خدا کا فضل ہے اس باغباں پر
عنایت جس کی ہے سارے جہاں پر

وحید عصر ہمعصروں کا محسود
محامد کی زبان و دل کا محمود

(بقیہ صفحہ 43 پر)

امام احمد رضا کی عروض دانی پر اعتراض کا علمی احتساب

مولانا قاری لقمان شاہد

ایک مہربان نے سیدی اعلیٰ حضرت کے شعر پر اعتراض کرتے ہوئے کہا: "فاضل بریلوی کا صنعت اقتباس میں ایک شعر ہے:

من زار تربتی وجبت لہ شفاعتی
ان پر درود جن سے نوید ان بشر کی ہے

یہ شعر وزن رواں: مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن میں ہے، لیکن اس کا مصرع اول ساقط الوزن ہے، کیوں کہ "لہ" کی "ہ" کو ساکن کر دیا گیا ہے، اگر اشباع ہوتا تو ہم مان لیتے کہ عروضی قاعدہ ہے، لیکن متحرک کو ساکن کر دینا کس قاعدے سے درست ہو گیا؟ اس لیے مان لینا چاہیے کہ امام احمد رضا معصوم عن الخطا نہیں تھے"

اس مبنی بر جہالت اعتراض پر معترض کو میں کیا کہوں اور کیا نہ کہوں!!

دانائی و علم پر تجھے اتنا ناز
پھر اُس پہ یہ افہام کا اوچھا انداز
تو کس کو پڑھا رہا ہے، او طفل مزاج!
دیتا ہے کوئی ہوا کو درسِ پرواز؟

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمہ اللہ دیگر علوم کے ساتھ عروض کے بھی ایسے ماہر تھے کہ مثال نہیں ملتی، لیکن "ولی را ولی می شناسد" صاحب فن کو صاحب فن ہی پہچان سکتا ہے۔ نصیر گولڑوی کہتے ہیں:

نکتہ رس، ناقد، رُباعی گو، یمِ فنِ عروض
پاک جوہر، خوش بیاں، شیریں کلام احمد رضا

یَم سمندر کو کہتے ہیں، یم فن عروض کا مطلب ہے "عروض کا سمندر" - یہ اُس شخص کی بات ہے جس کا باپ دادا بھی شاعر تھا، اور وہ خود بھی شاعرِ ہفت زباں تھا- اور ایک معترض صاحب ہیں کہ........ کچھ نہ پوچھیے!

سیدی اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا اقتباس میں شعر سو فی صد درست ہے، لیکن اس کے وزن کو سمجھنے کے لیے کلامِ اساتذہ کے وسیع مطالعے کی ضرورت ہے جس سے معترض کوسوں دور ہے!

شاعر جب اقتباس کرتا ہے تو اُسے وزن شعری برقرار رکھنے کے لیے مقتبس الفاظ میں ترمیم و اضافے، اشباع و اسقاط اور تسکین کی اجازت ہوتی ہے: اس کی بیسیوں مثالیں اردو و فارسی شعرا کے کلام میں موجود ہیں- یہاں ہم "مشتے نمونہ از خروارے" صرف متحرک کو ساکن کرنے کی کچھ مثالیں پیش کرتے ہیں، کیوں کہ معترض کو اسی پر اعتراض ہے-

اردو زبان کے عظیم شاعر ولی دکنی (متوفی قریب 1725ء) کہتے ہیں:

تمام پات یسبح بحمدہ کے سب حکم
زبان حال سوں کرتے ہیں ذکر سبحانی

(کلیات ولی، مرتب نور الحسن ہاشمی، در مدح حضرت شاہ وجیہ الدین، ص 293، الوقار پبلی کیشنز لاہور 2016ء)

یہ شعر بحر مجتث مثمن مخبون محذوف مسکن میں ہے، تفعیل:
مفاعلن فَعِلاتن مفاعلن فعلن

اس میں قرآنی آیت:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ
وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ

تَسۡبِیۡحَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیۡمًا غَفُوۡرًا - (بنی اسرائیل، 44)

سے اقتباس کیا ہے۔ لیکن یسبح کی "ح" آیت کی طرح متحرک نہیں، ساکن باندھی ہے؛ بالکل اُسی طرح جیسے سیدی اعلیٰ حضرت نے وجبت لہ کی "ہ" ساکن باندھی ہے۔

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ ولی دکنی کوئی عام ہستی نہیں، یہ عالم فاضل اور صوفی طبیعت ہونے کے ساتھ ایسے بلند پایہ شاعر ہیں کہ میر تقی میر بھی جن کا عاشق ہے؛ میر ایک غزل میں کہتے ہیں:

خوگر نہیں ہم یوں ہی کچھ ریختہ کہنے سے
معشوق جو اپنا تھا، باشندہ دکن کا تھا

(کلیات غزلیاتِ میر، مرتبہ ڈاکٹر علی محمد خاں، غ 170، ص 148، فیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، 2013ء)

خاقانی ہند ابراہیم ذوق (متوفی 1854ء) کہتے ہیں:

گر قتل ہی کرنا ہے، عاشق کہیں ہو جلدی
لاحول ولا قوۃ، کیا دیر لگائی ہے

(کلیات ذوق، مرتبہ ڈاکٹر تنویر احمد علوی، غ 205، ص 235، مجلس ترقی ادب لاہور 1430ھ)

یہ شعر بحر ہزج مثمن اخرب میں ہے، تفعیل: مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن۔

اس میں الفاظ: لاحول ولاقوۃ الا باللہ سے اقتباس کیا ہے اور قوۃ کو قُوَت باندھا ہے؛ ایک تو حرکت اڑا دی ہے اور دوسرا "ۃ" کو ہ کے بجائے ت سے بدل دیا ہے۔

عالم بے بدل پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی (متوفی 1937ء) کہتے ہیں:

لم یکن احد لك كفوا ولم
لیس شیئا مثلك یا ذالکرم

(کلام حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑی رحمۃ اللہ علیہ، انتخاب پیر سید ارتضیٰ علی کرمانی، مثنوی المعروف گوئم گو، ص 65، عظیم اینڈ سنز پبلشرز لاہور، 1424ھ)

یہ شعر بحر رمل مسدس محذوف میں ہے تفعیل: فاعلاتن فاعلاتن فاعلن۔ اسے سورہ اخلاص سے اقتباس کیا ہے، اس میں پیر صاحب قبلہ نے احد کی "ح" کو ساکن باندھا ہے اور کفوا کے "ف" کو بھی ساکن۔

بالکل اسی طرح جیسے میرے امام نے لہ کی "ہ" کو ساکن باندھا ہے۔

میری طرف سے مقتبس متحرک کو ساکن کرنے کی یہ مثالیں معترض کی علمی ضیافت کے لیے بہت کافی ہیں۔

اب میں "ماہرِ عروض" معترض صاحب کے ذمے بھی کچھ لگاتا ہوں:

یہ بتائیں کہ مولانا روم نے صنعت اقتباس کے ان اشعار میں کس کس جگہ متحرک کو ساکن باندھا ہے!

1 تا الیہ یصعد اطیاب الکلم
صاعداً منا الیٰ حیث علم
(د1، ش 882)

2 لاجرم ابصار ما لا تدرکہ
وھو یدرك بین تو از موسیٰ و کہ
(د1، ش 1135)

3 با ھوا و آرزو کم باش دوست
چون یُضلك عن سبیل اللہ اوست
(د1، ش 2957)

دستِ او را حق چو دستِ خویش خواند
تا یداللہ فوق ایدیھم براند
(د1، ش 2972)

(یہ چاروں اشعار مثنوی معنوی مطبوعہ تہران 1387 سے نقل کیے ہیں، علامت "د" سے مراد دفتر ہے، اور "ش" سے مراد شعر)

اِن دلائل قاہرہ سے بھی اگر معترض "مرحوم" کی تسلی نہ ہوئی تو اللہ کی رحمت سے میں نے:

سعدی، جامی، کاکوروی، کاشانی، خاقانی، قاآنی، خواجوی، اہلی، ساوجی، اور فیضی جیسے ائمہ سخن کے کلام سے متحرک کو ساکن کرنے کی متعدد مثالیں ڈھونڈ رکھی ہیں۔

آخر میں معترض کو صنعت اقتباس میں کچھ نصیحت کرتا ہوں تاکہ آئندہ محتاط رہے:

لیا جس نے ہم سے عداوت کا پنجہ
سُنُلقِی عَلَیھِم عَذاباً ثَقِیلا
کہستاں میں ماریں اگر آہ کا دم
فَکَانَت جِبالٌ کَثِیباً مَھِیلا

□□□

ہندوستان میں مسلمانوں کی مشکلات اور عدالت عظمیٰ کا مایوس کن کردار

احمد رضا صابری

گذشتہ لوک سبھا انتخابات میں جہاں بی جے پی کی غیر معمولی کامیابی نے ہندوستان کی سیاست کا رُخ ہی موڑ دیا وہیں مسلمانوں کے سیاسی مستقبل اور دستور میں تحریر مذہبی آزادی پر بھی سوالیہ نشان کھڑا کر دیا۔ موجودہ وزیر اعظم کا ماضی مسلم دشمنی کے حوالے سے سیاہ کارناموں سے بھرا پڑا ہے۔ وزارت عظمیٰ کے لئے ان کا انتخاب بی جے پی کی سیاست میں ایک بڑی تبدیلی کا پیش خیمہ تھا۔ اپنی تاسیس کے بعد اس جماعت نے بڑی مہارت سے ہندو ووٹ کو جمع کرنے کے لئے ایک طرف آر ایس ایس کی نظریاتی اساس کو استعمال کیا تا کہ ہندو ووٹ کو اکٹھا رکھا جائے اور دوسری جانب باجپائی جیسے نرم خو چہرے عوام کے سامنے رکھے تا کہ اس جماعت کو اعتدال پسند جماعت سمجھا جائے۔ یہ سلسلہ اس وقت ٹوٹ گیا جب 2014ء کو چناؤ کا سامنا ہوا۔ آر۔ ایس۔ ایس نے فیصلہ کیا کہ اب وہ وقت آ گیا ہے جب ہم کھل کر اپنے سیاسی تشخص کا اظہار کریں اور باجپائی اور ایڈوانی جیسے چہروں کی اب ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ یہ وہ موقع تھا جب اعتدال پسندوں کی مخالفت کے باوجود آر۔ ایس۔ ایس نے اپنے ایک مستند کارکن نریندر مودی کو بی جے پی کی قیادت دلوانے میں فیصلہ کن کردار ادا کیا اور یوں سخت گیر طبقہ کی حمایت سے پارٹی کی قیادت مودی کو سونپ دی گئی اور اس نے 2014ء کی انتخابی مہم چلانا شروع کر دی گجرات کے جرائم مودی کا راستہ روک سکے اور نہ ہی بی جے پی کی نمائشی اعتدال پسندی۔

مودی کو انتخابات میں تاریخی کامیابی حاصل ہوئی اور 1985ء کے بعد پہلی مرتبہ کسی پارٹی کو یہ امتیاز حاصل ہوا کہ وہ بغیر کسی اتحادی پارٹی کی مدد کے اپنی حکومت بنا سکے۔ مودی کو اتنی بڑی کامیابی میں سب سے بڑا کردار بڑے کاروباری اداروں کی سرپرستی کا ہے۔ گجرات میں مودی نے یہ شہرت حاصل کر لی تھی کہ وہ سرمایہ کاری کو فروغ دینے میں ماہر ہیں اور ان کی قیادت میں معیشت ترقی کرے گی لیکن مودی کا حقیقی ایجنڈا ہندوتا کا پرچار ہے اور وہ اس میں مسلمانوں کو ایک بڑا دشمن تصور کرتا ہے اس جیت میں انتخابات سے کچھ عرصے قبل مظفر نگر میں مسلمانوں کیخلاف ہونے والے فسادات نے اہم کردار ادا کیا جہاں نہ صرف 62 ہلاک ہونے والوں میں سے 42 مسلمان تھے بلکہ صدیوں سے آباد 50,000 مسلمان اپنے گھروں سے بے گھر کر دیئے گئے۔ ان فسادات، جن میں بی جے پی کے ایم پی اور ایم ایل اے ایس نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بی جے پی کو یو پی میں بے مثال کامیابی دلوائی جہاں اس نے 80 میں سے 71 نشستیں جیت لیں۔ دو سال بعد ریاستی انتخابات میں بی جے پی نے اس سے بھی بڑی کامیابی حاصل کی جس کا سہرا ایک سادھو کے سر پر سجا ہے۔ جو ریاست کا وزیر اعلیٰ بنا دیا گیا ہے۔

یوگی ادیتاناتھ، جو گورکھپور مندر کے مہنت تھے۔ ہندوتو کے اتنے بڑے پرچارک ہیں کہ مودی بہت جلد ان کے سامنے ایک اعتدال پسند سیاستدان نظر آئیں گے۔ نفرت اور تنگ نظر سیاست کا ہمیشہ یہی انجام ہوتا ہے جب اس میں نئے آنے والے بہت تیزی کے ساتھ اپنے پیشرو کے مقابلے میں زیادہ انتہا پسند ثابت ہوتے ہیں۔

ادیتاناتھ اور مودی کی جوڑی نے مسلمانوں میں ایک ایسے عدم تحفظ کو جنم دیا ہے جس کی کوئی اور مثال ہندوستان کی حالیہ تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس جوڑی نے مسلمانوں پر ہونے والے ظلم وستم پر مجرمانہ خاموشی اختیار کی

ہوئی ہے۔ ان کے اقتدار میں چند رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات رونما ہوئے ہیں۔ انڈین ایکسپریس کے مطابق، عید سے چند دن پہلے ایک 15 سالہ لڑکا اپنے اور دو دوستوں کے ساتھ دہلی سے عید کی خریداری کر کے ماتھورا میں واقع اپنے گھر بذریعہ ٹرین واپس جا رہا تھا۔ ان سب ساتھیوں کا حلیہ ان کے مسلمان ہونے پر دلالت کر رہا تھا۔ سیٹ پر بیٹھنے کے مسئلے پر ڈبہ میں سوار ایک گروہ سے کچھ تکرار ہوئی جو وقفے وقفے سے جاری رہی لیکن زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ یہ مذہبی رنگ اختیار کر گئی۔ اس گروہ نے جنید کی ٹوپی، مسلمان ہونے اور گائے کا گوشت کھانے کے طعنے دیئے اور پھر یہ سارا معاملہ زبردست حملے کی شکل اختیار کر گیا۔ اس گروہ کے لوگ جو جنید اور اس کے بھائی اور دوستوں سے عمر میں بڑے تھے، جلد ہی چاقو نکال لئے اور جنید کو بے رحمی سے قتل کر دیا۔ ایک شہری کا اس قدر سفاکانہ اور بہیمانہ قتل بھارت کی جمہوریت اور اس کے سیکولر آئین پر اک بدنما داغ ہے۔ مرکزی یا ریاستی حکومت کے کسی ذمہ دار نے اس واقعہ کی مذمت میں کوئی بیان نہیں دیا اور یہ کوئی پہلی دفعہ نہیں ہوا۔

دو سال پہلے دہلی کے قریب ایک اور واقعہ میں ایک 50 سالہ مسلمان اخلاق احمد کو یہ افواہ پھیلا کر کہ اس کے گھر میں گائے کا گوشت کھایا جا رہا ہے قتل کر دیا گیا۔ راجستھان میں ایک اور واقعہ میں جہاں ایک مسلمان بدقسمتی سے گائیں منڈی لے کر جا رہا تھا ایک ناکردہ گناہ میں بلوائیوں نے بے رحمانہ طریقے سے موقع پر ہلاک کر دیا۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے جون میں۔ اپنی ایک رپورٹ میں لکھا ہے کہ اب تک 10 مسلمانوں کو گاؤ رکھشا کی بھینٹ چڑھایا گیا ہے۔ یہ سب کچھ ایک ایسے موقع پر ہو رہا جب ہندو اکثریت والے ملک میں مسلمان اقلیت کے خلاف اسلاموفوبیا پھیلایا جا رہا ہے۔

خصوصاً یہ واقعات ان ریاستوں میں ہو رہے ہیں جہاں بی جے پی کی حکومت ہے اور مرکزی اور ریاستی اہلکار کسی بھی سطح پر نہ صرف اس کے خلاف اقدامات نہیں اٹھا رہے بلکہ ان کی دوٹوک الفاظ میں مذمت بھی نہیں کر رہے۔ لہٰذا عوام کو یہ پیغام جا رہا ہے کہ ان واقعات کو حکومتی سرپرستی حاصل ہے۔ ایمنسٹی کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر آکار پٹیل کا کہنا ہے کہ

"مسلمانوں کے خلاف نفرت کی بنیاد پر جرائم کا بلا روک ٹوک ارتکاب ایک ایسا سلسلہ ہے جو بہت پریشان کن ہے۔ بدقسمتی سے وزیر اعظم اور وزراء اعلیٰ نے کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا جس سے یہ پتہ چلے کہ انہیں یہ غیر قانونی کام قابل قبول نہیں ہیں"۔

یہ ظلم و ستم اور اس پر حکمرانوں کی بے حسی اس سطح پر پہنچ گئے ہیں جہاں دنیا کا میڈیا اس کا تذکرہ کر رہا ہے۔

واشنگٹن پوسٹ، ٹائم میگزین اور ہندوستان ٹائمز اور دیگر موقر جریدوں میں اس کی شدید الفاظ میں مذمت کی جا رہی ہے۔ بھارت کی سول سوسائٹی سراپا احتجاج کر رہی ہے۔ اس احتجاج میں سب سے مقبول بینر یہ کہہ رہا تھا: یہ میرا بھارت نہیں ہے۔

ہندوستان ایک بہت بڑا ملک ہے اور دنیا کی ابھرتی ہوئی معیشت ہے اور وہ ایک سُپر پاور بھی بننا چاہتا ہے۔ لیکن اس ملک میں ایک آئین بھی ہے جو شہریوں کی جان و مال کے تحفظ کا دعویدار ہے۔

جس ملک میں قانون کی یہ حالت ہو کہ وہ اقلیتی شہریوں کو دن دہاڑے ٹرین اور بڑی سڑکوں پر بلوائیوں کی وحشیانہ قتل و غارت گری سے نہ روک سکے تو وہاں یہ سوال ضرور ہوگا اور ہو رہا ہے کہ کیا اقلیتوں کے لئے کوئی دوسرا قانون ہے جو ان کے جان و مال کے تحفظ کی ضمانت نہیں دیتا۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ نہ صرف حکومتیں اس بربریت پر خاموش ہیں بلکہ سپریم کورٹ نے بھی اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ جب سپریم کورٹ کرکٹ بورڈ کے نئے انتخابات میں گڑبڑ کا نوٹس لے کر اس کو درست کر سکتا ہے تو یہ تو بنیادی حقوق کا مسئلہ ہے، جس پر عمل درآمد کی براہ راست ذمہ داری آئین ہند کے آرٹیکل 36 کے تحت سپریم کورٹ پر ڈالی گئی ہے۔

ویسے تو اس بات کی بہت چرچا ہے کہ ہندوستان میں سول سروس اب بھی آزاد اور موثر ہے، خصوصاً ڈسٹرکٹ ایڈمنسٹریشن اور پولیس۔ لیکن ان حالیہ دل دہلا دینے والے واقعات نے اس مفروضہ کو بھی غلط ثابت کر دیا ہے۔ نامور کالم نگار اے۔ جی نورانی نے اپنے کالم میں اس امر پر اپنے تاسف کا اظہار کیا ہے کہ بھارت کی سول سروس اپنی روایتی آزادی اور اختیارات کا غیر جانبدارانہ استعمال کرنے کی صلاحیتوں سے محروم ہو گئی ہے۔ ہم ہندوستان کے باشعور عوام اور مقتدر طبقات کے اکابرین کو بربریت کے ان واقعات کا سنجیدہ نوٹس لینا چاہئے اور ان کے مکمل تدارک کے لئے موثر اقدامات کریں کیونکہ کسی بھی مہذب معاشرے میں اس قدر ظلم اور زیادتی ایک بڑی تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔

□□□

ہندوستان میں مسلمانوں کی موجودہ سماجی وسیاسی صورتحال

اے۔سعید

ہمارے ملک کی سماجی وسیاسی صورتحال دن بہ دن خطرے سے دوچار ہے۔ ہندتوا فاشسٹ تنظیمیں، بی جے پی، این ڈی اے حکومت اور سرکاری مشینری ہمارے ملک کے عوام کے درمیان رائج ترقی پسند جمہوری خیالات کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اس وقت ملک میں لفظ، "عدم رواداری" کا زیادہ چرچا ہورہا ہے۔ ملک کئی تبدیلیوں اور بحران کے دور سے گذر رہا ہے۔ این ڈی اے حکومت کی ترقی کا نعرہ اب تقسیم کی سیاست میں تبدیل ہوگیا ہے۔ مودی حکومت تخلیقی ایجنڈے سے ہٹ کر ہندوتوا انتہا پسندوں کی گرفت میں ہے۔ بی جے پی حکومت کا مرکز میں اقتدار پر قابض ہونے کے بعد سے ملک میں ایسے واقعات رونما ہورہے ہیں جس سے سیکولرازم اور مساوات صرف دکھاوا بن کر رہ گیا ہے اور حکمران مشینری فرقہ وارانہ ایجنڈے کے نفاذ میں دلچسپی دکھارہی ہے۔ فرقہ وارانہ منافرت اور گائے کے تحفظ کے نام پر ملک کے مختلف حصوں میں مسلمانوں پر لگاتار حملے ہورہے ہیں۔ فسطائی طاقتیں اب یکساں سول کوڈ کے نام پر فرقہ وارانہ تنازعات پیدا کرنے کے لیے نئی چالیں چل رہے ہیں۔ جبکہ راشٹریہ سویم سویک سنگھ (آر ایس ایس) ایک "ہندو راشٹرا" کے قیام کے اس کے بنیادی نظریے سے کبھی منحرف نہیں ہوئی ہے۔ ودھیا بھارتی جو بھارت میں نجی اسکولوں کی سب سے وسیع نیٹ ورک ہے۔ ان تعلیمی اداروں کے ذریعے زعفرانی سیاہی کے ساتھ تاریخ کو پھر سے لکھنے کی منظم کوشش ہورہی ہے۔ جس کے ذریعے نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد کے ذہنوں میں ہندوتوا کے بنیادی نظریات کو بھرا جارہا ہے۔ بھارتیہ سکھشا نتی آیوگ (BSNA) کو قائم کرنے کے لیے ایچ آر ڈی منسٹری کی طرف سے منظوری دیا جانا یہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ بی جے پی کس نظریے سے متفق ہے۔ (BSNA) کو آر ایس ایس سے وابستہ شکھشا سنسکرتی اتن نیاس نے قائم کیا ہے۔ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ماضی قریب سے ہندوستان کی تاریخ کو مسخ کرنے اور تعلیمی نظام کو تبدیل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اقلیتوں طبقات کو ملک میں اڑچن اور بدامنی پیدا کرنے والے کے طور پر پیش کیا جارہا ہے۔ مسلمانوں، عیسائیوں اور پارسیوں کو غیر ملکی قرار دیا جارہا ہے۔ بھارت کی تقسیم کے لیے مسلمانوں کو مکمل طور پر ذمہ دار ٹھہرایا جارہا ہے۔ آر ایس ایس کو آزادی کی جدوجہد میں مرکزی کردار ادا کرنے والی تنظیم کے طور پر پیش کیا جارہا ہے اور ڈاکٹر کیشو اراؤ ہیگڈ یوار کا شمار جدوجہد آزادی کے قدآور رہنماؤں میں کیا جارہا ہے۔ قومی رہنماؤں کی ایک کثیر تعداد نے اپنے بیانات میں آر ایس ایس کی تعریف کی ہے۔ سنگھ پریوار اور اس کی ذیلی تنظیموں نے قومی اہمیت کے حامل 17 سے زائد تحقیقی ادارے جیسے Indian Council of Social Science Research، Indian Council of Philosophical Research، UGC، NCERT اور Indian Institute of Advanced Studies سمیت دیگر کئی اہم اداروں پر اپنا قبضہ جمالیا ہے۔

پیسہ کی طاقت:۔

نیو لیبرل پالیسیوں کو لاگو کرنے کے لیے سرمایہ داروں،

سامراجیوں اوران کے اتحادی ساری دنیا میں نیو فاشسٹ حکمرانی قائم کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ اس کا مشاہدہ ہمارے ملک ہندوستان میں بھی کیا جاسکتا ہے۔ یہ انقلابی اور جمہوری طاقتوں اور ہمارے ملک کے عوام کے سامنے ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔ اس حقیقت کا بھی انکشاف ہوچکا ہے کہ آر ایس ایس، بی جے پی، کارپوریٹس اور میڈیا کی ملی بھگت کے نتیجے میں نریندر مودی کی بڑے پیمانے پر جیت ہوئی ہے۔ یہ بی جے پی کی جیت نہیں ہے۔ یہ ان کارپوریٹس کمپنیوں کی جیت ہے جو نریندر مودی کو فروغ دیکر وزیراعظم بنانا چاہتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بھارت کے کارپوریٹ ورلڈ سیاست دانوں کو "اپنانے" اور ان کی حمایت حاصل کرنے کے لیے ایک مہم کا آغاز کررکھا ہے۔ لہٰذا میڈیا نے نریندر مودی کو ترقی کے مسیحا کے طور پر پیش کیا تھا، جس کے بعد خود کارپوریٹ میڈیا نے اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ اکیلے نریندر مودی کو تشہیر کرنے اوران کو فروغ دینے کے لیے 30,000 کروڑ روپئے سے زائد خرچ کیا گیا تھا۔ مودی حکومت اب کارپوریٹس کی خدمت میں مصروف نظر آرہی ہے۔ جس کے نتیجے میں قیمتی عوامی اثاثے، جنگلات اور زرعی زمین پر قبضہ کیا جارہا ہے۔

اس قسم کے اقدامات اقتصادی منطق کے خلاف ہے جس سے ملک کے عام عوام کی آزادی، سلامتی اور ان کی روزی روٹی کو خطرہ لاحق ہے اور اس سے ملک کی سماجی سالمیت کمزور ہوتی ہے۔ این ڈی اے حکومت کی طرف سے فارسٹ رائٹ ایکٹ کو کمزور اور سبوتاژ کرکے کارپوریٹ اقلیت کے مفادات کو پورا کیا جارہا ہے۔ اس کے علاوہ وزیراعظم کے دفتر سے یہ کوشش ہورہی ہے کہ موجودہ جنگل ماحولیاتی ایکٹس کے قواعد وضوابط پرغور کئے بغیر متعلقہ وزرات پر یہ دباؤ ڈالا گیا ہے کہ وہ کچھ منصوبوں کے لیے اجازت دیں۔ وزیراعظم کے دفتر نے کچھ منصوبوں کے لیے محکمہ جنگلات سے منظوری طلب کی تھی لیکن ان منصوبوں میں فارسٹ رائٹ ایکٹ (FRA) کے تحت تمام شرائط پر عمل نہیں کیا گیا ہے۔ حکومت سختی سے کوشش کررہی ہے کہ موجودہ تحویل اراضی، ریہابلیشن اور ری سٹلمنٹ ایکٹ 2013 میں اہم تبدیلی لاسکے۔ جس کا مقصد صنعت کاروں کو کئی طریقوں سے خوش کرنا ہے۔ بات واضح ہے کہ ایک غریب ترین کسان زمین میں کاشت کاری کرتا ہے لیکن وہ اس کا مالک نہیں ہے۔ ایسے غریب کسان کو کوئی معاوضہ نہیں مل سکے گے۔ قانون میں سماجی تشخیص حصہ کو نکال کر حکومت ایک بہت بڑے رکاوٹ سے بری ہوگئی ہے۔ اس سے قبل کے قانون کے تحت تشخیص اس لیے کیا جاتا تھا کہ کتنے لوگ اس سے متاثر ہونگے۔ لہٰذا زمین کے مالک کے علاوہ وہ تمام لوگ جو اس زمین پر انحصار کرتے ہیں ان کو معاوضہ دیا جانا ضروری تھا لیکن اب نیا آرڈیننس صرف جاگیرداروں کو معاوضہ دینے کو یقینی بناتا ہے۔ مزدور قانون کی ترمیم میں کم از کم اجرت ترمیم بھی شامل ہے۔ حکومت خصوصی اقتصادی زون میں اور دیگر صنعتی علاقوں میں بھی خصوصی سہولیات فراہم کرنے کی کوشش کررہی ہے، جو مزدور اور عوام مخالف قوانین ہیں۔ یہ کام مالکان کو خوش کرنے کے لیے جارہا ہے، خاص طور پر کارپوریٹس کمپنیوں کے مالکان کو خوش کرنے کے لیے یہ اقدام کیا جارہا ہے۔ این ڈی اے حکومت کی عوام مخالف پالیسیوں کی یہ صرف چند مثالیں ہیں۔

بدعنوانی:۔

سیاست میں مجرموں کے اثر ورسوخ کی وجہ سے بھارت میں انتظامیہ اور سماجی زندگی کے تمام شعبہ جات میں بدعنوانی کا بول بالا ہے۔ تشویشناک صورتحال یہ ہے کہ پولیس اور عدلیہ بھی بدعنوانی جیسے لعنت سے آزاد نہیں ہے۔ عوام میں عدم تحفظ کا احساس کافی گہرا ہے اور ان کی عام زندگی خوفناک ماحول میں گذر رہی ہے۔ سال 2011 میں ایک بین الاقوامی ایجنسی "Transparency International" کی جانب سے تیار کردہ فہرست کے مطابق بھارت بدعنوانی فہرست میں 182 ممالک میں 87 ممالک سے آگے ہے۔ جس سے ملک کی ترقی پر منفی اثر پڑا ہے۔ عوامی سہولیات اور عوام کی فلاح وبہبود کی ترقی کے لیے مختص پیسہ عوام کے پیسے لوٹنے میں ملوث ٹھیکیداروں، سرکاری ملازمین اور سیاست دانوں کے جیبوں میں جارہا ہے۔

بھارت میں جمہوریت کی ناکامی:۔

بھارت دنیا کی سب سے بڑی جمہوری ملک ہے۔ جمہوریت

کو حکومت کے ایک مثالی شکل کے طور پر کیا جاتا ہے۔جس میں لوگوں کو ان کے منتخب نمائندے نمائندگی کرتے ہیں۔ یہ عوام کے لیے، عوام کی طرف سے اور عوام کی حکومت ہے۔ یہ وہ عوامی حکومت ہے جس میں عوام کی آواز بالاتر ہے۔قوانین عوام کے مرضی کے مطابق ہی تشکیل دیئے جاتے ہیں۔ بھارت کے ہر ایک شہری کو رنگ، ذات، نسل، مذہب، املاک یا جنس کی بنیاد پر مبنی کسی بھی امتیاز کے بغیر ارکان اسمبلی کو انتخابات میں ووٹ ڈالنے اور ایک رکن اسمبلی کے طور پر منتخب ہونے کا حق حاصل ہے۔ بھارت ایک سیکولر جمہوری ملک ہے لیکن ہمارے ملک میں وعدے اور کارکردگی کے درمیان ایک فرق ہے۔ ہم نظریاتی طور پر ہر حق سے لطف اندوز ہو رہے ہیں لیکن عملی طور پر نہیں۔ معاشرے کا سماج وادی تصور صرف ایک خواب میں تبدیل ہو گیا ہے۔ حقیقی جمہوریت تب ہی آسکتی ہے جب اس ملک کے عوام بیدار ہونگے اور ملک کی اقتصادی اور سیاسی شعبہ میں حصہ لیں گے۔ بھارت آج ایک امیر آدمی کا جمہوریت ہے۔ ہماری جمہوریت امیر کے لیے، امیر کی طرف سے، امیروں کی طرف سے ہے۔عوام تعلیم سے آراستہ نہیں ہیں۔جس کی وجہ سے وہ اپنے ووٹ کا غلط استعمال کر جاتے ہیں۔ ان کو بہ آسانی پیسے کی طاقت پر خرید لیا جاتا ہے۔ جب تک عوام کے درمیان بڑے پیمانے پر تعلیم اور روشن خیالی عام نہیں ہوتی اس وقت تک کوئی جمہوریت کامیاب نہیں ہو سکتی ہے۔ یہاں امیر طبقہ غریب طبقہ کا استحصال کرتا ہے کیونکہ غریب طبقے کا جمہوری ڈھانچے میں کوئی اشتراک نہیں ہے۔ آج جمہوریت آزمائش کے دور سے گذر رہی ہے۔ جمہوریت ناکام نہیں ہوا ہے، بلکہ ہم ناکام ہوئے ہیں۔ اگر ہم اپنے آپ میں جمہوری جذبہ، حساسیت، کردار کی بنیاد پر صحیح معنوں میں ہندوستانی بننے کو تیار ہیں تو ہم یقینی طور پر کامیاب ہو سکتے ہیں۔ انتخابات ہمیشہ ایک مہنگا معاملہ رہا ہے اور پیسے کی کشش خاص طور پر غیر تعلیم یافتہ لوگوں میں حیرت انگیز کام کرتا ہے۔ ملک کی ایک واحد پارٹی بھی جمہوری ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی ہے۔ سیاست اب ایک کاروبار بن چکا ہے، جہاں سرمایہ داری کرنے کے بعد اقتدار کا غلط استعمال کر کے منافع کمایا جا رہا ہے۔ غیر تعلیم یافتہ عوام، قانون ساز ادارے پارلیمنٹ کے اراکین کرنسی نوٹوں سے ہی متاثر ہوتے ہیں۔ بھارت کے نام نہاد انقلابی اور جمہوری قوتیں صورتحال سے نمٹنے کے قابل نہیں بنتے ہیں۔ وہ اب بھی سامراجی، سرمایہ دارانہ اور فرقہ وارانہ طاقتوں سے عوام کی حفاظت کرنے کی ذمہ داری لینے سے ہچکچا رہے ہیں۔

کہاں ہے سیکولرازم؟:۔

ہندوستان کے مسلمان فرقہ وارانہ فاشسٹ عناصر کی طرف سے کئے جانے والے حملوں اور حکومت کی جانب سے ان کے ساتھ ناانصافی اور جانبدارانہ رویہ سے خوفزدہ ہیں۔ ہمارے ملک میں موجودہ صورتحال یہ ہے کہ فرقہ وارانہ عناصر مسلمانوں کے خلاف بشمول نسل کشی کے کسی بھی قسم کے مظالم ڈھانے کے لیے آزاد ہیں۔ بھارت میں ہوئے کسی بھی فرقہ وارانہ حملوں کے خلاف مناسب کارروائی نہیں کی گئی ہے۔اس کے علاوہ معصوم اور بے قصور مسلمانوں کو جھوٹے الزام میں گرفتار کر کے انہیں جیلوں میں کئی سال سے مقید کر کے رکھا گیا ہے۔ بعض معاملوں میں ان کے بے گناہی ثابت کی گئی ہے۔ لیکن ان نوجوانوں کو بعد میں دوسرے جھوٹے مقدمات کے تحت جیلوں میں دوبارہ بھیج دیا جاتا ہے۔ یہ ایک منصوبہ بندی کے تحت مسلمانوں کی توہین کرنے اور انہیں الگ تھلگ رکھنے کی سازش ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ملک کی تمام سیاسی پارٹیاں اس سازش میں حصہ لیتی ہیں۔ مسلمان طبقہ اس ملک میں سب سے زیادہ فرقہ وارانہ عناصر کے نشانے پر ہے۔ حکومت، انتظامیہ اور سیاسی پارٹیوں کی جانب سے مسلسل طور پر مسلم مخالف رجحان اتنا بڑھ چکا ہے کہ مسلم کمیونٹی کے ہر فرد کے دل میں گہرا زخم لگا ہوا ہے۔ یہاں تک کے سیکولر پارٹیاں اور ان کے لیڈران نے بھی اہم مواقع پر ان کا فرقہ وارانہ چہرا دکھا دیا ہے۔ مسلمان ہر قسم کے تحفظ سے محروم ہیں۔ مذہبی عقائد پر چلنے کی آزادی سے محروم ہیں اور مسلمان ہی زیادہ تر اور ہمیشہ کالے قوانین اور ریاستی دہشت گردی کے شکار ہوتے آرہے ہیں۔ ایسا لگ رہا ہے کہ ملک میں فرقہ وارانہ عناصر کو فرقہ وارانہ فسادات کے نام پر قتل، لوٹ مار، عصمت دری، آتش زنی، وغیرہ کی عملی طور پر کسی بھی حد تک جانے کی اجازت مل گئی ہے۔

□□□

حریم ادب

ماجد خلیل: کراچی

اب نعت جو زندگی ہوئی ہے
سانسوں کی کمی بڑھی ہوئی ہے

دیکھوں گا انہیں بروز محشر
یہ سوچ کے جو خوشی ہوئی ہے

میں آ تو گیا حرم سے واپس
پر کیا؟ مری واپسی ہوئی ہے

آئیں گے ضرور میرے آقا
خوابوں پہ نظر لگی ہوئی ہے

اک لفظ سے بنے ہوئے جہاں میں
اک نام سے روشنی ہوئی ہے

اک در کا یہ فیض ہے کہ باقی
ہر در سے یہ جاں بچی ہوئی ہے

اشکو! چلے جاؤ دل میں واپس
کاغذ پہ نعت لکھی ہوئی ہے

اتنا ہی نہیں کہ ان کے در پر
ناچیز کی حاضری ہوئی ہے

ماجدؔ بہ زبان بے زبانی
سرکار سے بات بھی ہوئی ہے

□□□

حسن رضا اطہرؔ: بکارو، جھارکھنڈ

تمام عمر کی محنت وصول ہوجائے
بس ایک نعت کا مصرع قبول ہوجائے

کہاں میں شمس کا طالب قمر کا شیدائی
یہ خاکسار مدینے کی دھول ہوجائے

مجھے بھی کاش اویس و بلال کے صدقے
نصیب دولت عشق رسول ہوجائے

اگر نبی کی محبت سے دل نہیں لب ریز
تو پھر یہ ساری عبادت فضول ہوجائے

سند عطا ہو غلامی کی سبز گنبد سے
ہمارے حق میں بشارت نزول ہوجائے

یہ ان سے عشق مجسم کا فیض ہے اطہرؔ
کوئی رضا کوئی تاج الفحول ہوجائے

□□□

منقبت در شان اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ

محبوب گوہر اسلامپوری

زبان خلق پہ چرچا ہے اعلیٰ حضرت کا
رواں زمانے میں سکہ ہے اعلیٰ حضرت کا

نہ مل سکے گی مثال حدائق بخشش
انوکھا نعتیہ لہجہ ہے اعلیٰ حضرت کا

علوم فقہ کا اک بحر بیکراں سمجھو
کہ تیس جلدوں میں فتویٰ ہے اعلیٰ حضرت کا

سکون دل کے لئے اک جھلک ہی کافی ہے
کچھ ایسا پرکشش روضہ ہے اعلیٰ حضرت کا

جہاں جہاں بھی مزین ہے فقہ کی محفل
وہاں وہاں پہ اُجالا ہے اعلیٰ حضرت کا

اندھیرے سر نہ اٹھائیں انہیں خبر کردو
ابھی تو ضوفشاں تارا ہے اعلیٰ حضرت کا

تمام علمی مجالس میں کیوں نہ ہو آگے
پڑھا لکھا ہوا کنبہ ہے اعلیٰ حضرت کا

ترا شعور سخن کہہ رہا ہے خود گوہرؔ
کہ تیری جھولی میں صدقہ ہے اعلیٰ حضرت کا

□□□

منقبت در شان اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ

پھول محمد نعمتؔ رضوی، مظفر پور بہار

مجدد ہو کے جب چودہ صدی کا ہے رضا چمکا
تبھی سے ساری دنیا میں ہے رضوی سلسلہ چمکا

رضا کی شکل میں سن ہجری بارہ سو بہتر کو
بریلی میں محمد مصطفی کا معجزہ چمکا

نبی سے عشق کے صدقے میں ہے لعل و گہر بن کر
رضا کی نعت کا ہر اک ردیف و قافیہ چمکا

ہیں اس کے فارغ اول ہوئے مولانا ظفر الدین
بشکل منظر اسلام جب اک مدرسہ چمکا

وہ ہو دنیائے تقویٰ یا کہ فتویٰ اے مرے مرشد
ہے چمکا کون جتنا آپ کا ہے مصطفیٰ چمکا

حضور حجۃ الاسلام اور مفتیٔ اعظم سے
زمانے میں رضا کا سلسلہ بے انتہا چمکا

سبھی حضرت ہیں اے نعمتؔ مگر وہ اعلیٰ حضرت ہیں
کہا سب عالموں نے جب فتاویٰ رضویہ چمکا

□□□